

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مروجہ دعوت و تبلیغ سے متعلق

دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ کی تشریح

زاہد محکم نظر نے مجھے کافر جانا اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المذہبین حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کا تحریر کردہ جواب متعلقہ تبلیغی جماعت ترجمان دیوبند میں مئی ۲۰۱۵ء کے شمارہ میں طبع ہوا ہے۔ استفتاء علماء وائمہ کانپور کی جانب سے بھیجا گیا تھا۔ اسلئے اسے نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اور جواب بھی ایسی معقولیت کا مظاہرہ تھا کہ کسی کو انگلی رکھنے کی گنجائش نہ رہے۔ اس کام کے لئے دارالعلوم دیوبند نے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کا انتخاب کیا اور بہتر انتخاب کیا۔ جواب حضرت مفتی صاحب کی خوبی تحریر کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے حزم و احتیاط اور علم و فضل کا بھی شاہکار ہے۔ ایک ایسے نازک اور حساس مسئلے پر قلم اٹھانا کہ۔

اگر کویم زباں سوزد نہ کویم گلستاں سوزد

کا مصداق ہو یقیناً کسی ماہر علم و فن شخصیت ہی کو زیبا تھا ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس خیر و خوبی کے ساتھ اس مرحلے کو سر نہیں کر سکتا تھا۔ جس طرح حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے بڑی آسانی کے ساتھ سوال کا جواب تحریر فرمادیا۔

استفتاء چونکہ علماء وائمہ کی جانب سے کیا گیا تھا اور موضوع اپنے اندر بڑی حساسیت رکھتا تھا اسلئے بہت محتاط لب و لہجے کی ضرورت تھی، نہ ایسا کہ خرمن ہی کو جلا کر خاکستر کر دے، اور نہ ہی ایسا کہ سلگتے ہوئے جذبات کو مشتعل کر دے۔ ہر دو پہلو کی رعایت کرتے ہوئے جواب تحریر کرنے کی ذمہ داری حضرت مفتی صاحب نے بحسن و خوبی پورا فرمایا۔

جواب اتنا معتدل اور فکرا انگیز ہے کہ اگر ایک طرف اہل جماعت کی غلطیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرتا ہے تو دوسری طرف علماء وائمہ کی کمزوریوں پر ان کو متنبہ بھی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کمزوریوں سے کون خالی ہو سکتا ہے؟ لیکن اگر تنبیہ کے بعد ان کی اصلاح کریں گے تو بڑی سے بڑی غلطی قابل عفو ہو جاتی ہے۔ اور اگر چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے انکی اصلاح سے صرف نظر کر لیا جائے تو یہی معمولی اور چھوٹی غلطیاں ایک دن اتنی سنگین اور بڑی ہو جاتی ہیں کہ پہاڑ بھی ان کے سامنے چھوٹا نظر آنے لگتا ہے۔ جماعت کے ذمہ داروں سے یہی چوک ہونی کہ شروع میں معمولی غلطیوں کو نظر انداز کرنے اور ان کی بیجا تاویل نے اب انھیں اتنا سنگین بنادیا کہ محتاط سے محتاط شخص کے قلم سے بھی بے اختیار ان کا ذکر ٹپک پڑتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کی علمی و فتنی بصیرت میں کس کو کام ہو سکتا ہے؟ شریعت کی جانب سے انھیں اسکا حق و اختیار ہے کہ وہ اپنی دینی و علمی بصیرت کی روشنی میں ہم سب کی

اصلاح فرمائیں اور جس بات پر تنبیہ کی ضرورت محسوس کریں ہمیں تنبیہ فرمائیں کیونکہ جس عالی منصب پر وہ فائز ہیں ان کے منصب کی ذمہ داری ان سے یہی مطالبہ کرتی ہے۔

جواب کے غامض رموز و اشارات سمجھنے کی صلاحیت منفقو دہونگی وجہ سے ممکن ہے لوگ کچھ کا کچھ سمجھ لیں اسلئے ناچیز مختصر اسکی وضاحت اور تشریح پیش کرتا ہے تاکہ جواب کو سمجھنے میں غلطی نہ ہو اور حضرت مفتی صاحب نے جن خامیوں کی نشاندہی فرمائی ہے خواہ اسکا تعلق جماعت تبلیغ سے ہو یا علماء کرام و ائمہ عظام سے، پہلی فرصت میں اسکی اصلاح کی کوشش کریں۔ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے جواب شروع فرمانے سے قبل بطور تمہید چند ضروری اور اہم باتیں بیان فرمائی ہیں جن کو جواب سے پہلے سمجھ لینا ضروری ہے اور ان باتوں کو پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ چونکہ مفتی صاحب کا ارشاد خیر الکلام ماقبل و دل کا مصداق اور آئینہ دار ہے اس لئے اس کی وضاحت اور تشریح ضروری ہے ہم پہلے نمبر سے اس کی تشریح شروع کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

حضرت مفتی صاحب نے بات یہاں سے شروع کی ہے کہ ”کار نبوت ایک نئی کئی ہے اور اس کی بیسٹار جزئیات ہیں“ یعنی تعلیم و تعلم، تصنیف و تالیف، قتال و جہاد، دعوت و تبلیغ وغیرہ سب اس نئی کئی کی جزئیات ہیں۔ انہیں بعض بہت اہم ہیں اور بعض کم اہم ہیں ہر ایک کا تفصیلی تذکرہ ضروری نہیں کیوں کہ اس میں خواہ مخواہ طولالت ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان تمام کاموں کے جامع تھے، وہ معلم و مبلغ بھی تھے، مرشد و مربی بھی

تھے، مجاہد و سپاہی بھی تھے ان کی ذات میں اللہ نے تمام کارہائے نبوت کی جزئیات کو جمع فرما دیا تھا مگر بعد میں صلاحیتوں کے کمزور ہونے کی وجہ سے امت کے مختلف طبقات نے تقسیم کار کے طور پر اپنے حسب صلاحیت کام کو اختیار کر لیا۔ ایک طبقہ نے تصنیف و تالیف کا کام سنبھال لیا، دوسرے طبقہ نے درس و تدریس کی ذمہ داری اٹھالی، تیسرے طبقے نے دعوت و تبلیغ کے لئے اپنے کو وقف کر دیا، چوتھے طبقے نے اصلاح و ارشاد کے ذریعہ کام کو آگے بڑھایا، پانچویں طبقے نے جہاد و قتال کا میدان اپنایا، اس طرح الگ الگ جماعتیں وجود میں آگئیں لیکن ان سب میں باہم اتفاق و اتحاد تھا ہر ایک دوسرے کا معاون تھا مخالف مزاحم نہیں تھا۔ بعض اولیاء کرام کی محنتوں سے ہزاروں لاکھوں لوگوں نے اسلام قبول کیا، مگر ان کی تعلیم و تربیت کا معقول نظم نہ ہونے سے وہ جہالت کا شکار ہو گئے، ان فوسلموں کی خبر گیری نہ ہونے کی وجہ سے وہ سارے فوسلم برائے نام مسلمان رہ گئے، حتیٰ کی دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے ذریعہ سے مسلمانوں میں علم دین کی روشنی پھیلنے لگی اور تعلیم و تبلیغ کا بازار پھر گرم ہوا، انھیں علماء دیوبند میں سے اللہ نے ایک ایسے مجدد کو پیدا فرمایا جس نے اپنی دینی خدمات کی ہمہ جہتی اور تجدیدی کارناموں سے پورے ہندوستان کو متاثر کیا، تصنیف و تالیف، درس و تدریس، وعظ و ارشاد، اصلاح و تربیت، دعوت و تبلیغ سب ایک ذات میں جمع تھے۔ اس مجدد دو وقت اور حکیم الامت کا نام نامی اسم گرامی تھا ”حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ“ جنھوں نے میوات و اطراف کے علاقوں میں

ترہیت شدہ علماء مبلغین کو بھیج کر دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ بیوات میں دینی تبلیغ کی ابتداء حضرت حکیم الامتؒ نے ہی فرمائی تھی جو بعد میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی توجہ کا مرکز بنا۔

حضرت مولانا مفتی زید صاحب ندوی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اپنی کتاب ”کارکنان تبلیغ الخ“ میں مستند حوالوں کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

”اس وقت حکیم الامتؒ مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی اصلاحی و دعوتی کوششیں عروج پر تھیں دعوت و تبلیغ کے تعلق سے آپ کے مسلسل اسفار بھی ہوتے تھے، اصلاحی مجالس کا سلسلہ بھی قائم تھا، ایک زمانہ میں کانپور کے علاقہ قصبہ گجیر ضلع کانپور میں ارتداد کی خبر ملی تو آپ دعوت و تبلیغ کے لئے ایک جماعت کے ساتھ فوج تشریف لے گئے اور ان کو تبلیغ فرمائی، ایک عرصے کے بعد آگرہ اور اس کے اطراف کے دیہی علاقوں میں فتنہ ارتداد رونما ہوا اس کے لئے بھی آپ فکر مند ہوئے۔ چنانچہ اسی وقت عمومی پیمانے پر آپ نے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ قائم فرمایا، حالات اور ضرورت کے مطابق ارتداد زدہ علاقوں میں خصوصاً آگرہ اور اس کے اطراف میں آپ نے

علماء و مبلغین کی جماعت روانہ فرمائی، حکیم الامتؒ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں اس وقت جو کوششیں جاری تھیں اس میں پیش پیش بلکہ یوں کہنے کہ مرکز رکن یہ بزرگ بھی تھے، جن کو ہم مولانا محمد الیاس صاحب کا ندھلویؒ سے یاد کرتے ہیں۔ حکیم الامتؒ حضرت تھانویؒ کی تجویز کے مطابق آپ نے ارتداد زدہ علاقوں میں وفد کے ساتھ دعوتی و تبلیغی دورے فرمائے، سفر کی رواد اور کارگزاری حضرت تھانویؒ کی خدمت

میں لکھ کر بھیجی جاتی، حضرت تھانویؒ اس کے جواب میں بہت اہم نکات اور دعاؤں سے ان کی تقویت فرماتے جس سے ان کے حوصلے اور بلند ہوتے۔“

حکیم الامتؒ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ کے تبلیغی وفد میں حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شمولیت کا تفصیلی تذکرہ اور دوسرے بزرگوں نے بھی فرمایا ہے بالخصوص حضرت الاستاذ مولانا محمد فاروق صاحب اترانویؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ”الکلام البلیغ“ میں پچاسوں صفحات پر مشتمل مستند اکابر علماء و کتب کی عبارتیں پیش کر کے یہ بتلایا ہے کہ بیوات کی تبلیغی جدوجہد میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قبل ان کے والد اور بھائی اور محدث سہارن پوری حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انیسٹھوی اور حکیم الامتؒ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہم کی مساعی کی برکتیں ظاہر ہونے لگی تھیں اور ان حضرات کی مسلسل محنت برک و بارلانے لگی تھی۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے تو اپنے دو خلفاء کو اس کام پر مامور فرما رکھا تھا جو وہاں مستقل قیام پذیر تھے، اور حضرت تھانویؒ دعا و جہات کے ذریعہ ان کو تقویت پہنچاتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کے ساتھ اس خدمت میں شریک کار رہے۔ پھر بعد میں ان کی پوری توجہ اور محنت کیوجہ سے اس کی نسبت ان کی طرف کی جانے لگی اور اس کا مرکز نظام الدین قرار پایا۔ نظام الدین مرکز بننے سے پہلے کام قدیم طرز پر ہوتا رہا اور سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق تبلیغی جدوجہد جاری رہی، البتہ جب کام پورے طور پر سمٹ کر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی

طرف آگیا تو اس کی نوعیت میں تھوڑی تبدیلی آئی۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم کا یہ جملہ ”کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ اکابر دیوبند کی رہنمائی میں دعوت و تبلیغ کی داغ بیل ڈالی“ کام کے اس قدیم طرز کی طرف اشارہ کرتا ہے جو سلف و صالحین سے ہوتا چلا آیا تھا۔ اکابر دیوبند میں اس وقت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب اور محدث عظیم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری نور اللہ مرقدہما حیات تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی ہدایتوں اور دعاؤں کے زیر سایہ کام کافی حد تک آگے بڑھ چکا تھا..... اور نہایت عمدہ نتائج نکلنے شروع ہو گئے تھے۔

پھر جب کام کی ذمہ داری حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے کندھوں پر آئی تو ان میں بعض ایسے اعمال و اشغال کا اضافہ ہوا جو ان اکابر کے زمانہ میں نہیں تھے اسی کو حضرت مفتی محمد سعید احمد صاحب دامت برکاتہم نے ”اور ایک خاص نہج پر کام شروع کیا“ سے تعبیر فرمایا۔ یہ خاص نہج کیا تھا جس کو مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا تھا، اس کو مختصر ا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا تھانوی اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری کے وقت میں کام کرنے والے علماء تھے۔ اشرف السوانح میں وہ ساری تفصیل درج ہیں اور ان مبلغین علماء کے اسماء گرامی بھی ملتے ہیں جو اس تبلیغی خدمت پر حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی طرف سے

مامور تھے۔ جب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے گشت و غیرہ کا عمل شروع فرمایا تو اس میں علماء کی تربیت یافتہ جماعت کے بجائے زیادہ تر غیر عالم ہوتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری ایام میں جب اسی طرح کی جماعت تھانہ بھون بھیجی گئی تو حضرت اقدس مولانا تھانوی کو یہ معلوم ہو کر کہ ”مبلغین“ میں علماء نہیں بلکہ بے علم لوگ شامل ہیں، انتہا غصہ پیدا ہوا۔ اور اس پر اپنا عدم اطمینان ظاہر فرمایا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا قول ”کیا تبلیغی کام ضروری ہے“ کے صفحہ نمبر ۸۵ پر مذکور ہے۔

”مولانا تھانوی کی محتاط اور دور رس طبیعت کام کا جابلوں کے پیرد کرنے سے مطمئن نہ تھی۔ مولانا کی طبیعت کھٹکتی تھی کہ کہیں اس طریقہ سے کہیں کوئی بڑا فتنہ نہ پیدا ہو اور یہ بے اطمینانی تھی کہ علم کے بغیر یہ لوگ فرضہ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے۔“

اسی طرح حضرت مولانا الیاس صاحب کی سوانح میں حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”مولانا تھانوی کو ایک بے اطمینانی یہ تھی کہ علم کے بغیر یہ لوگ فرضہ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے۔ لیکن جب مولانا ظفر احمد صاحب نے بتلایا کہ یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا چنانچہ ان کو حکم ہے کسی اور چیز کا ذکر نہیں کرتے اور کچھ نہیں چھیڑتے تو مولانا کو مزید اطمینان ہوا۔“

اس مزید اطمینان ہونے کے جملے پر حضرت مولانا محمد فاروق صاحب الکلام تبلیغ میں فرماتے ہیں۔

یہ مولانا ندوی (علیہ الرحمہ) کا خیال ہی خیال ہے۔ مولانا ہرگز مضمن نہیں تھے جیسا کہ مختلف رسائل اور تصنیفات میں شروہ سے عقلی و نقلی دلائل سے اس پر انکار و کفر ثابت ہے۔ ممکن ہے مولانا مختصر احمد صاحب کے بیان پر مولانا تھانویؒ نے سکوت و اغماض فرمایا ہو جس سے راوی نے اپنے فہم سے اطمینان سمجھ لیا ہو،

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گمٹھلویؒ خلیفہ حضرت مولانا تھانویؒ قدس سرہ کی خدمت میں حضرت الاستاذ مولانا محمد فاروق صاحب اترانویؒ نے جب یہ عریضہ ارسال فرمایا کہ،

یہ سن کر حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے مزاج مبارک کے خلاف ہے نہیں شریک ہوا۔ مگر کوئی صحیح طور سے بتانے والا نہ ملا کہ حضرت حکیم الامت واقعی خوش نہیں تھے بلکہ اکثریت اسی طرف رہی کہ حضرت نے دعا فرمائی اور مبارک باری اور اس طرز کو پسند فرمایا وغیرہ وغیرہ۔

تو حضرت مولانا عبدالکریم گمٹھلویؒ نے جواباً تحریر فرمایا کہ یہ کسی راوی نے اپنے فہم سے سمجھ لیا۔

تبلیغ کا جو سلسلہ حضرت مولانا تھانویؒ نے جاری فرمایا تھا وہ سلف صالحین کے

طرز کے مطابق تھا جس میں مبلغ اور داعی صاحب علم ہوا کرتے تھے۔ جب بعد میں اس میں بے علم لوگ شامل ہوتے گئے تو کام کی نوعیت بدل گئی اس تبدیلی کا انجام وہ اپنی بصیرت کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے تو اس کی ہمت افزائی فرمانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ (جیسا کہ بعض تبلیغی لوگ دعویٰ کرتے ہیں)

حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ اپنی کتاب تجدید تعلیم و تبلیغ کے صفحہ نمبر ۷۱ پر فرماتے ہیں۔

”کام کا طریق حضرت (تھانوی) کے مذاق و معیار سے مختلف تھا حضرت کا خاص مذاق ہر چھوٹے بڑے کام میں قدم قدم پر توازن و توسط حد و اعتدال کا غایت اہتمام تھا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا رنگ بڑا عاشقانہ تھا احقر کو جب جب زیارت ہوئی اسی کا تجربہ ہوا، لیکن بڑوں کی ہر بات نقل و اتباع کی نہیں ہوتی، عشاق میں جو چیز ”جوشش عشق است نے ترک اوپ“ ہوتی ہے اس کی نقائی بارہا ”زشت با شد روئے نازیبا و ناز“ ہو جاتی ہے۔“

الغرض دونوں بزرگوں کے کاموں میں یہ جوہری فرق تھا جو اوپر مذکور ہوا کہ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ اس اہم کام کو جابلوں کے سپرد کرنے کے حق میں ہرگز نہیں تھے وہ بے علموں کو اس کا اہل ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اذا استد الامر الی غیر اہلہ فانظرو الساعة،، کا مصداق قرار دیتے تھے جیسا کہ حضرت مولانا علی میاں کے حوالے سے اوپر مذکور ہوا۔ لیکن مرکز نظام الدین سے اس توازن و اعتدال کی رعایت نہیں

رکھی گئی جو حضرت تھانویؒ کا مزاج و مذاق تھا جس کے سبب آج کام میں اعتقادی ہنظریاتی و عملی خرابیاں روز افزوں ہیں۔

بات لمبی ضرور ہو گئی لیکن حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے جملوں کی معنویت اس تفصیل کے بغیر سمجھ میں آئی مشکل تھی اس لئے یہ طوالت اختیار کی گئی۔ بڑوں کے مختصر جملوں میں بعض اوقات بڑی گہرائی ہوتی ہے جسکو سمجھ پانا ہر شخص کے بس میں نہیں ہوتا اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس کی تشریح و توضیح میں اجمال و اختصار سے کام نہ لیا جائے تاکہ بات پوری طرح سمجھ میں آجائے۔

وہ ”خاص نہج“ جس کا ذکر اوپر آیا اور جس کا سلسلہ مرکز نظام الدین سے شروع ہوا، یہ سب کچھ غلبہ حال میں ہوا جس کو حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ کے الفاظ میں عاشقانہ رنگ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت الاستاذ الکرام المبلغ میں لکھتے ہیں۔

حضرت مولانا الیاس صاحب کی طبیعت میں ایک بے قراری تھی جو بچپان میں بیٹھے دیتی تھی۔ ایک بے چینی تھی جو چین نہیں لینے دیتی تھی ایک سوز و رونا تھا جس سے سینہ سلگتا رہتا تھا، ایک فکر تھی جس نے دن کے چین اور راتوں کی نیند کو حرام کر دیا تھا ایک دشمن تھی، ایک لگن تھی“ (صفحہ نمبر ۸۶)

مغلوبیت حال اور عشق و دیوانگی کی کیفیت آداب و قواعد کی پابند نہیں ہوتی اس لئے یہ اوصاف محمود و پسندیدہ ہونے کے باوجود شرعاً حجت و دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے نہ بعد کے لوگوں کے لئے اس کی پیروی لازم ہے۔ جس طرح عشق و محبت قاعدے

قانون کی پابند نہیں اسی طرح بزرگوں کی عقیدت و محبت میں بھی لوگ ضابطہ شریعت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ضابطے اور قانون سے باہر نکلنے ہی کو بے اعتدالی اور سبکدوشی سے تعبیر کیا جاتا ہے جو مغلوب الحال ہوتا ہے وہ تو قابل غور ہوتا ہے لیکن جو اس مقام و مرتبے کا نہیں ہوتا اس سے مواخذہ ہو سکتا ہے۔ کسی کی عقیدت میں شرعی ضابطوں کی حدیں پھیلائی جانا مذموم و قبیح ہے جس کی حوصلہ افزائی کسی قیمت پر نہیں کی جاسکتی۔

اس کے برعکس حضرت تھانویؒ قدس سرہ کے یہاں قدم قدم پر اعتدال و میانداری تھی اور اعتدال ہی عند الشرع مطلوب ہے۔ بے اعتدالی بسا اوقات بہت سی خرابیوں اور گمراہیوں کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ کوئی بزرگ اللہ کے نزدیک چاہے جتنی مقبولیت رکھتا ہو شریعت محمدیؐ اس کی بے ضابطگیوں کو کبھی قبول نہیں کرتی۔

وہ مکہ ہے جہاں دیوانگی بھی عین ایمان ہے مدینہ میں جو دامن ہوش کا چھوٹا تو سب چھوٹا یہاں بڑے حزم و احتیاط اور تہیق و بیداری کی ضرورت ہے ذرا سی چوک اور غفلت کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ اس لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بار بار علماء سے کہتے کہ میرے کام اور احوال کی نگرانی رکھو اور جہاں ضرورت سمجھو مجھے ٹوکو، وہ اپنی اہمیت و خلوص اور شریعت محمدیؐ کی پاسداری کی بدولت سلامتی سے گزر گئے لیکن ان کے انتقال کے بعد ہی سے گمراہیاں ظہور میں آنے لگیں اور ایک موقع وہ تھا جب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے حضرت تھانویؒ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی اور فرمایا تھا کہ ”یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا جن کا ان کو حکم ہے کسی اور چیز کا ذکر نہیں چھیڑتے“

لیکن آگے چل کر خود انھیں کو اہل تبلیغ کی بے اعتدالیوں کی اصلاح کے لئے رسالہ تصنیف کرنا پڑا بقول مولانا عبدالباری ندوی ”بڑوں کی ہر بات نقل و اتباع کی نہیں ہوتی“ مگر لوگوں نے اسی ”ہر بات“ کی پیروی شروع کر دی۔ بزرگوں سے عقیدت و محبت میں شرعی حدود و آداب کا پاس و لحاظ عوام الناس نہیں کر پاتے۔ یہ ذمہ داری خواص کی ہوتی ہے کہ وہ قدم قدم پر نگرانی رکھیں کہ کام کا منہج و طریق شرعی حدود کے باہر نہ جانے پائے۔ مگر پورے حالات پر نظر ڈالنے کے بعد یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ اس معاملے میں خواص کا حال بھی عوام سے مختلف نہیں رہا جس کو اب شدت سے محسوس کیا جانے لگا۔

جب تک حضرت مولانا محمد الیاسؒ زندہ تھے اور کام کو اکابر کے مشورہ کے مطابق انجام دیتے تھے اس کے فوائد و برکات کا زیادہ سے زیادہ ظہور ہوتا رہا۔ میوات کی کافی اصلاح ہوئی، مسجدیں بن گئیں، بہت سے مکاتب اور مدارس کا اجراء ہوا حفاظ اور علماء تیار ہونے لگے اور تبلیغی محنت اپنے پیش رو بزرگوں اور سلف صالحین کے طرز پر رہی، وہی مکاتب و مدارس قائم کرنے کی کوشش، وہی بیعت و تلقین، وہی وعظ و تذکیر کے جلسے، وہی اہل اللہ کی صحبت میں رہنے کا مشورہ اور کوشش امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر وغیرہ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بزرگوں کے ساتھ لگے رہے تھانہ بھون حاضر ہو کر حضرت تھانویؒ سے ہدایات و مشورے لیتے رہے۔ لیکن ان کے بعد اس صورت حال میں بھی جہد ملی آئی۔ اور علماء کی کڑی نگرانی کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی تو کام میں فرق آنا شروع ہو گیا

شروع شروع میں بزرگوں کی برکتیں شامل حال تھیں اس لئے وہ فرق زیادہ محسوس نہیں کیا گیا۔ لیکن جیسے جیسے اکابر اور حضرت مولانا الیاسؒ کے زمانے سے دوری بڑھتی گئی بگاڑ کے اثرات بھی نمایاں ہونے لگے۔

پہلے تو اس کا دائرہ محض عملی بگاڑ تک ہی محدود رہا لیکن پھر اعتقادی و نظریاتی فساد بھی ظاہر ہونے لگا تفصیل کا موقع نہیں صرف اشارے کی حد تک عرض کر دینا مناسب ہے۔ اپنے ہی طریقہ کو سب پر فوقیت دینا اور اسے ہر ایک پر لازم قرار دینا، جس کام کو محض عوام کے فائدے کی غرض سے شروع کیا گیا تھا اس کو واجب سمجھنا اور سمجھانا، جس میں عوام ہی نہیں علماء بھی شامل ہیں، آیات جہاد و قتال میں معنوی تحریف کرنا، اپنے غیر شرعی کام کو، جہاد و قتال کی ساری فضیلتوں کا مستحق سمجھنا، اپنے مخصوص و متعین طریقہ تبلیغ کو اصل دین سمجھنا، باقی تمام دینی شعبوں کی تحقیر و اہانت کرنا، علماء کرام سے دوری اور بدظنی رکھنا، مدارس اور خواتین کو غیر ضروری اور غیر مفید باور کرانے کی کوشش بلکہ اس کے متوازی و متقابل ایک نیا نظام بنانا، قرآن وحدیث کی من مانی تشریحات کر کے عوام کو بطلہ میں مبتلا کرنا، حضرت مولانا الیاس صاحب کو بعض تبلیغیوں کی جانب سے الہامی نبی قرار دیا جانا، اور دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں ان کے ارشادات و فرمودات کو حرف آخر سمجھنا، باقی تمام اکابر کا نام تک لینے سے گریز رکھنا، اور ان کی کتابوں کے متعلق یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ اس سے توڑ پیدا ہوتا ہے، مباحات و مستحبات کو واجب سے اہم بتانا، عوام الناس کے ساتھ ساتھ خواص میں بھی غلو فی

الدین اور تحریف کے جراثیم کا سرایت کر جانا وغیرہ وغیرہ۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سب خرابیاں بعد میں آئیں ہیں، لیکن ناچیز کے نزدیک یہ اعتقادی و عملی خرابیاں شروع دور ہی سے مسلسل مشاہدہ میں آرہی تھیں لیکن آئندہ کی اصلاح کی امید اور اس کے کچھ فائدے کے پیش نظر مہلت اور چھوٹ دی گئی اور نرمی و چشم پوشی سے کام لیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہے آج یہ بگاڑ و فسادنا قابل اصلاح ہو چکے ہیں، علماء کی تنبیہات صدابہ صحرابوچکی ہیں اور ایک نئے فرقے کے وجود میں آنے کا پورا ماحول بنایا جا چکا ہے اب اگر انتظار ہے تو صرف اعلان و اظہار کا کہ کب مرکز نظام الدین کے امراء باقاعدہ دارالعلوم دیوبند اور اکابر علماء دیوبند سے رشتہ توڑنے کا اعلان فرماتے ہیں۔ فعلاً و عملاً تو دارالعلوم دیوبند کی ہدایات و فتاویٰ کو وہ اپنے دستور سے خارج کر چکے ہیں اور اس کے خلاف بڑی آزادی اور بے ہاکی سے عمل پیرا ہیں۔ صرف قوی و لسانی طور پر اپنے استقلال کا اعلان باقی رہ گیا ہے۔ اس کی مثال میں دیوبند کے دو فتوؤں کا ذکر مناسب ہے۔ (۱) عورتوں کی تبلیغی جماعت کے بدعت ہونے کا فتویٰ پچاسوں سال سے دیا جا رہا ہے لیکن نظام الدین کے امیروں کے کانوں پر جوں تک نہیں رہنکی۔ (۲) اسی طرح قرآنی آیات کے خلاف من مانی تشریح پر صریح گمراہی کا فتویٰ امیر مرکز کے متعلق صادر ہو چکا ہے مگر مرکز سے اس کی کوئی صفائی آج تک نہیں دی گئی کیونکہ ان کے نزدیک دیوبند کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہ فتوے دیا کرے ان کی صحت پر کیا فرق پڑتا ہے۔ جب کہ ملت اسلامیہ

کا مرکز ہونے کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند تمام مسلمانوں کا دینی مرکز ہے اور اس کا فیصلہ و فتویٰ مسلم ہے اگر جماعت والے اسے غیر اہم سمجھتے ہیں تو اس طرح وہ اپنے آپ کو سواد اعظم سے کاٹ کر اپنے حق میں ہی نقصان کرتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کے فرمانے کے مطابق یہ دونوں سلسلے یعنی دارالعلوم دیوبند اور تبلیغ دین بڑے مبارک ثابت ہوئے کیوں کہ اس کی باگ ڈور علمائے راسخین اور اولیاء کاملین کے ہاتھوں میں تھی اور الحمد للہ دیوبند آج بھی بافیض ہے اس کی بدولت جہالت ختم ہوئی اور علم کی روشنی سے مسلمانوں کی کایا پلٹ ہو گئی۔ تبلیغی سلسلہ بھی خوب پھولا پھلا، عوام بڑی تیزی سے اس کے ساتھ جڑے، بہتوں کی اصلاح ہوئی اور گھر گھر دین کا چہ چہ ہونے لگا۔ مگر رفتہ رفتہ اس کے اندر غلو پیدا ہوا اور لوگ بس اسی طریقے کو دین سمجھنے لگے جس سے ملت کا سخت نقصان ہوا۔ حضرت مفتی صاحب کے آخری جملے بظاہر جملہ شرطیہ ہیں لیکن درحقیقت یہ اظہار واقعہ ہیں یعنی دین کا نقصان ہو گا نہیں بلکہ ہو چکا ہے آگے مزید وضاحت آ رہی ہے وہاں بات صاف ہو جائے گی۔

(۳) دوسرے جزء میں مفتی صاحب نے مساجد کے ائمہ و علماء کو توجہ دلائی ہے کہ اگر وہ عوام سے رابطہ میں رہیں تو مساجد میں دینی کام ان کی ذمہ داری اور نگرانی میں چل سکتے ہیں اور عوام کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ اگر وہ صرف نماز پڑھانے ہی سے مطلب رکھیں گے تو ظاہر ہے کہ کام نہیں ہوگا، یا ہوگا تو غلط طریقے سے ہوگا۔ تبلیغ والے اپنی مرضی

کے مطابق کریں گے پھر بعد میں شکایتیں پیدا ہوں گی۔ اس لئے علماء و ائمہ یہ ذمہ داری سنبھالیں اور مل جل کر کام کو آگے بڑھائیں۔ تبلیغ والوں کے ایک دو دن کے قیام سے کام پائیدار نہیں ہوتا۔ مسجدیں تو حقیقت میں ائمہ و علماء ہی کے دائرہ کار میں آتی ہیں لیکن جب وہ اپنا کام نہ کریں گے تو دوسرے لوگ یقیناً تصرف کریں گے۔ حضرت مفتی صاحب نے یہاں صرف سوال قائم کیا کہ ”کہہ دیجئے یہ ہے کہ مساجد کس کے دائرہ کار میں آتی ہیں؟ علماء ان کو اپنے دائرہ کی چیز سمجھتے ہیں۔۔۔۔۔ اور تبلیغ والے مساجد کو اپنا دائرہ کار سمجھتے ہیں۔“ اس کے آگے کچھ نہیں فرمایا، البتہ جواب کے انداز سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ مساجد کو علماء ہی کے دائرہ کار میں سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ بعض ائمہ و علماء کے طرز عمل کی جو شکایت انھوں نے فرمائی ہے وہ اسی بات کی غماز ہے۔ اگر یہ لوگ توجہ کرتے تو صورت حال خراب نہ ہوتی اور جماعت والوں کا عمل دخل بے جا تصرف مساجد میں نہ ہوتا۔ مزید برآں حضرت مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ ”مگر وہ ایک دو دن قیام کر کے چلے جاتے ہیں اسلئے“ اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی تبلیغ والے اس سے زیادہ مسجدوں میں اپنا حق نہ جتائیں کیوں کہ ان کا قیام مستقل نہیں ہوتا، مستقل قیام تو ائمہ و علماء ہی کرتے ہیں جو امامت کی ذمہ داری نبھاتے ہیں۔ اب ان اشاروں کو ہر آدمی کہاں سمجھے گا؟ بہر کیف آگے مولانا عمر صاحب پالن پوری کا جو ملاحظہ مفتی صاحب نے نقل فرمایا ہے اس سے ان کے نزدیک مدارس اور علماء کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ رہی بات موافقت کی تو علماء تبھی موافقت کر سکتے ہیں جب کام اصول

شرع کے مطابق ہو اور مبلغین علم سے کورے نہ ہوں۔ اگر بے علموں کو کام کا ذمہ دار بنادیا گیا تو کام میں سہولت کے بجائے مشکل اور تنگی پیش آئے گی۔

(۳) مفتی صاحب فرماتے ہیں ”جس کثرت کی وحدت جامعہ قوی ہوتی ہے وہ اپنی کثرت کو سنبھالے رکھتی ہے۔ اور وحدت جامعہ کمزور پڑ جائے وہ کثرت کو نہیں سنبھال سکتی۔“ بند الفاظ میں حضرت مفتی صاحب نے بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ ذمہ داران جماعت کو آنکھیں کھول کر یہ تحریر پر حنفی چاہئے آج وحدت جامعہ کی کمزوری کثرت کو سنبھالنے میں ناکام ہے۔ امرائے مرکز کو کمزوری کو مضبوطی سے بدلنے کی تدبیر معلوم کرنی چاہئے۔ چونکہ بات رمز و اشارے میں کہنے کا اہتمام کیا گیا ہے اس لئے زیادہ وضاحت مناسب نہیں۔

(۴) اس جگہ مفتی صاحب نے ملت اسلامیہ کا مرکز دارالعلوم دیوبند کو قرار دیا ہے اور یقیناً یہی درست اور حق ہے۔ تحریکوں اور اداروں کو اس مرکز اسلامی سے اپنا رشتہ مضبوط رکھنے ہی میں خیر اور بھلائی ہے خاص طور سے تحریک تبلیغ کے ذمہ داران کو یہ کڑوا گھونٹ پی لینا چاہئے کہ مسلمانوں کا مرکز دارالعلوم دیوبند ہے نظام الدین نہیں، بانی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب اکابر علماء دیوبند کی خدمت میں زندگی بھر عقیدہ تمندانہ حاضر ہوتے رہے، جس سے کام میں برکتیں ظاہر ہوتی رہیں لیکن اب نظام الدین کے امراء ذی وقار کو اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی، وہ اکابر کے مشوروں کا خود کو حاجت مند نہیں سمجھتے۔ بلکہ انہیں اپنے حکموں پر علماء کو چلانا چاہتے

ہیں جو دین کیلئے کام کر رہی ہیں اور اہل حق ہیں مگر دو ٹوک بات نہیں کرینگے اور اس مسئلے میں تبلیغی جماعت والے سب سے ڈھیلے ہیں وہ تو کبھی کسی کو کچھ کہیں گے ہی نہیں، کہتے ہیں کہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائیگا۔ یہ نبیوں کا طریقہ دعوت نہیں ہے۔ ایک بات اور سمجھو یہ دوسروں کے اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہیں کہ دین کا سارا کام ہم ہی کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ یہ خائفانہ والے اس فہمی کا شکار نہیں ہیں کہ دین کا سارا کام ہم ہی کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ یہ مجاہدین اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہیں کہ دین کا سارا کام ہم ہی کر رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ ایک شعبہ ہے جو ہم سنبھالے ہوئے ہیں دوسرے لوگ دوسرے شعبے سنبھالے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ تبلیغ والے اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں کہ سارا کام دین کا ہم ہی کر رہے ہیں۔ یہ تبلیغ والے اس غلط فہمی کا اتنا شکار ہیں کہ ان کی نظر میں یہ دوسرے بیکار ہیں، یہ خائفانہ ہیں بیکار ہیں یہ مجاہدین بیکار ہیں، بس تبلیغ ہی تبلیغ سب ہی کچھ ہے دین کا کام صرف وہی ہے۔۔۔۔۔۔ تبلیغی جماعت میں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ ہم ہی دین کا کام کرتے ہیں اور حضور، صحابہ

والا کام کرتے ہیں، یہ غلط کہتے ہیں اور اس غلط کہنے کا نتیجہ کیا ہے اگر ان کی اصلاح نہیں ہوئی تو بہت جلد یہ تبلیغ والے مسلمانوں کا ایک الگ فرقہ بن جائیں گے۔ وہ برادری مجھے نظر آتا ہے۔ وہ برا دن مجھے نظر آ رہا ہے اگر ان کی ذہنیت صحیح نہیں ہوئی تو بہت جلد یہ تبلیغ والے مسلمانوں کا ایک الگ فرقہ بن جائیں گے اور ہمیں اپنے قلم سے لکھنا پڑے گا کہ یہ گمراہ فرقہ ہے۔ اس لئے میرے بھائیو اس غلط فہمی کو نکالو۔ الخ

اپنے اس بیان میں آگے چل کر حضرت مفتی صاحب نے علماء کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے اور انھیں ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا ہے لیکن ہمیں تو یہ دکھانا تھا کہ غلو کا شکار کون ہے؟ اس لئے تقریر کا اتنا ہی حصہ نقل کیا گیا جو مضمون سے متعلق تھا۔ حضرت مفتی صاحب کے علاوہ دوسرے اور بھی علماء کرام اور مفتیان عظام نے تبلیغی جماعت کے اس غلو پر کھل کر نکیر کی ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر انشاء اللہ آگے آ رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ غلو دین نہیں، بد دینی ہے۔ جو انسان کو گمراہی کے اندھیرے غار میں دھکیل دیتی ہے۔ اب یہ عذر بھی کوئی نہیں کر سکتا کہ ذمہ داران جماعت اس غلو سے بری ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ نیچے تک یہ غلو اوپر ہی سے آیا ہے جسکی نشاندہی مفتی زید صاحب نے اپنے مکتوب بنام مولانا سعد صاحب امیر مرکز دہلی میں فرمادی ہے۔ اس لئے اس غلو سے دین

کا جو نقصان ہو رہا ہے اس کی ذمہ داری بھی انھیں پر عائد ہوتی ہے خدا کرے کہ یہ اپنا رویہ تبدیل کر لیں اپنی فکر و سوچ کو علماء کی نصیحت کے مطابق درست کر لیں ورنہ بقول حضرت مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم، ہمیں اپنے قلم سے لکھنا پڑے گا کہ یہ گمراہ فرقہ ہے۔ مزید ایک حوالہ اور ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مولانا شعیب اللہ خاں صاحب مدظلہ نے اپنی تصنیف، غلو فی الدین، میں بھی اہل جماعت کے غلو پر نکیر فرمائی ہے۔ اس کتاب پر تقریباً حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے لکھی ہے اس کا آخری اقتباس اس طرح ہے۔

یہاں ایک سوال ہے کہ جماعت کا غلو جماعت کے بڑوں کو سمجھانا چاہئے اس کو پہلک کے سامنے نہیں رکھنا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ پانی سر سے گزر گیا ہے اب جماعت کے عوام و خواص ”انا ولا غیر“ کے زعم میں مبتلا ہو گئے ہیں پس جب بات خواص تک محدود نہیں رہی تو قضیہ عوام کے سامنے رکھنا ضروری ہے شاید اتر جائے لوگوں کے دل میں مصنف کی بات اور دردِ پنہاں کا مداوا ہو جائے۔“

یہ جملے حضرت مفتی صاحب نے ۱۵/۱۱/۱۳۵۵ھ کو رقم فرمائے۔ اور علمائے کانپور کے سوال کا جواب ۵/جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ کو لکھا دونوں تحریروں میں تقریباً ایک سال کا وقفہ ہے اگر اہل جماعت اس پہلی تحریر کو دیکھ کر اپنی اصلاح کر لیتے تو دوبارہ پھر

حضرت مفتی صاحب کو نہ لکھنا پڑتا۔ مگر وہاں تو علماء کرام کی باتیں درخور اعتناء ہی نہیں ہوتیں، علماء کرام کے ایک مختصر سے مجمع کے سامنے جسمیں میں بھی موجود تھا ایک فاضل دیوبند عالم دین نے بیان کیا کہ جب جماعت کی اس طرح کی بے اعتدالیاں امیر مرکز دہلی کے سامنے رکھی گئیں تو بجائے اصلاح کرنے کے انھوں نے ارشاد فرمایا کہ ”میرا کھونا سکھ چل گیا ہے تم سے روکتے بنے تو روک لو۔“

لوگوں کے دلوں میں آخرت کا یقین پیدا کرنے والی جماعت کے سربراہ اعلیٰ کے دل کا یقین ملاحظہ فرمائیے کہ وہ دنیا میں کھوٹے سکے چل جانے کا یقین دل میں جمائے بیٹھے ہیں۔ یہ کھونا سکھ آخرت میں تو نہیں چل سکے گا نا۔ یا وہاں بھی یہی کھونا سکھ چلے گا اور اس کو کوئی روک نہیں پائے گا؟ نعوذ باللہ منہ۔ کبر و تعلی کے یہ بول انسان کو ایسی منزل پر پہنچا دیتے ہیں کہ پھر وہاں سے واپسی بڑی مشکل سے ہو پاتی ہے۔ اللہم احفظنا منہ۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کرام کو اصلاح سے مایوسی ہو چلی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں مقامات پر حضرت مفتی صاحب نے جو بات بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے علماء کانپور کے سوال کے جواب میں نہایت اختصار سے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور مروجہ دعوت و تبلیغ کے علمبرداروں کو غلو کرنے والا قرار دیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جماعت میں یہ غلو کیوں پیدا ہو رہا ہے؟ اس کی بنیادی وجہ طریقہ کار کا نقص ہے۔ حضرت مولانا صوفی محمد اقبال ”مجموعہ رسائل تبلیغ“ میں شیخ الحدیث

حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کا ”اہم گرامی نامہ“ جو تبلیغیوں کیلئے اعتکاف کی اہمیت کو بیان کرنے کیلئے یکم اگست ۱۹۸۱ء میں لکھا گیا تھا اس مکتوب کو شائع کرنے کی وجوہ بیان کرتے ہوئے تبلیغیوں کی خرابی کی وجہ خود اس مخصوص تبلیغی طریقہ کا رو نظام کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

لیکن صورت حال یہ ہو کہ ان کارکنوں کو ایک مختصر و مخصوص دینی نصاب اور دین کے ایک ہی شعبہ اور دعوت کے ایک ہی طریقہ کار میں شب روز محنت اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالینے سے دین کے اسی حصہ سے شدید تعلق ہو گیا، یہ شدت تعلق ان قابل قدر حضرات میں سے بعض کے لئے دین کے اس حصہ کے ماسوا سے بیزارى اور انکار کا باعث ہو گیا، ایسی صورت میں ان حضرات سے کبھی کبھی جوش میں تبلیغ کے علاوہ دوسرے شرعی و دینی امور کے متعلق نازیبا الفاظ نکل جاتے ہیں اور تبلیغی کام کو نقصان پہنچانے والی حرکات سرزد ہو جاتی ہیں ان حضرات میں کچھ خام علماء بھی ہوتے ہیں جو اگرچہ کسی مدرسے کے باقاعدہ فارغ التحصیل تو ہوتے ہیں مگر علمی استعداد کی کمی یا علمی مشغلاختیار نہ کرنے کی وجہ سے بعد میں ان کے پاس صرف مدرسے کی سند ہی رہ جاتی ہے چاہے تقریر وغیرہ میں مہارت حاصل کر کے عوام میں بڑے علماء شمار ہوتے ہوں۔“

(مجموعہ رسائل تبلیغ ص ۶۷)

(۷۵)

آگے صفحہ ۷۶ پر تبلیغی جماعت میں اس فساد کے پھیلاؤ کے بارے میں لکھتے ہیں:-

چونکہ مندرجہ بالا امور جن کی تفصیل گذشتہ اوراق میں تحریر ہوئی ہے ان کی ایک عمومی سی فضا بنتی جا رہی ہے اور آئے دن ادھر ادھر سے کچھ نہ کچھ واقعات سننا اور دیکھنے میں آتے رہتے ہیں اور کام اب ماشاء اللہ اتنا بھیل گیا ہے کہ مسئلہ اب چند افراد کا نہیں جن کو زبانی تنبیہ کافی ہو جاتی ہیں بلکہ عمومی ذہن بدلنے کی ضرورت تھی۔ جس کے لئے عمومی تحریر کی ضرورت تھی۔“

حضرت مفتی محمد اسماعیل صاحب اپنے رسالہ ”اصلاح خلق کا الہی نظام“ میں تبلیغی جماعت میں شامل ہونے کو فکری اور نظریاتی فساد کا سبب قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

”غور فرمائیے ایک شخص بے نماز یا ڈاڑھی منڈا جماعت میں چلا گیا، اللہ تعالیٰ نے اسے اس دوران ہمہ وقت مسجد کے ماحول میں رہنے کی برکت سے نماز یا ڈاڑھی کی توفیق دے دی۔ الحمد للہ خوب فائدہ ہوا اور یہی اصل فائدہ اس جماعتی کام کا ہے۔ لیکن اگر یہ شخص اب دین کے

کسی فریضہ محکمہ مثلاً جہاد و قتال فی سبیل اللہ، اقدامی جہاد یا دفاعی جہاد کے خلاف ذہن بنا آیا، حالانکہ جماعت میں جانے سے پہلے اس کا ذہن اس فریضہ محکمہ کے خلاف نہ تھا، یا علماء مشائخ سے اسے باوجود گنہگار ہونے کے پہلے عقیدت و محبت تھی، اب انھیں (جماعت میں سہ روزہ چلہ نہ لگانے کی وجہ سے) خدمت و محنت دین میں کوتاہی کرنے والا سمجھنے لگا تو اس عملی فائدے اور نظریاتی فساد و بگاڑ کے پیش نظر فرمائیے کہ اس کا نفع زیادہ ہو یا نقصان؟ عملی کوتاہی اور نظریاتی بگاڑ میں زیادہ مضر کون ہے؟ اس نکتہ پر اگر حضرات علمائے کرام اصلاح کے لئے توجہ فرمائیں تو بہت اچھا ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم یہ کہتے سمجھتے رہیں کہ ابھی خیر غالب ہے اور ادھر یہ فکری اور نظریاتی خرابی پختہ ہو جائے (صفحہ ۶۶)۔

حضرت مولانا مفتی محمد زید ندوی مظاہری استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنے تعارف میں خود لکھا ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے زمانہ طالب علمی سے ان کی تبلیغی جماعت سے وابستگی رہی ہے۔ ان کے اساتذہ میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ وغیرہ ہیں وہ کارکنان تبلیغ کے مفہمی الی البدعہ غلو کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”بہت سے حضرات دعوت و تبلیغ کی اس عملی شکل ہی کو قصود بالذات

اور مقاصد اصلیہ میں سے سمجھتے ہیں۔ (اسباب و اعمال اور تدبیر
ذوق کل کا شرعی درجہ، ص ۳۴)
مزید لکھتے ہیں

”جو اس مروجہ دعوت میں معمول کے مطابق پورے طور پر پروگرام
میں شریک نہ ہوں تو سمجھتے ہیں کہ یہ دعوت کا کام نہیں کرتا، حالانکہ
دعوت و تبلیغ کی کوئی بھی شکل ہو، خاص وہ شکل مقاصد میں سے نہیں
بلکہ وسائل میں سے ہے، وسائل کو مقاصد کا درجہ دے کر پھر اس
میں شریک نہ ہونے والے کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا اور اس سے
بدگمان ہونا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ ایک بڑا طبقہ جہالت کی وجہ
سے اس مرض میں مبتلا ہے (ص ۳۵)۔

کارکنان تبلیغ کا یہ اعتقادی غلو اتنا صریح البطلان ہے کہ اس پر اب مزید کچھ لکھنے
کی ضرورت نہیں ہر شخص اتنی تفصیل جان لینے کے بعد حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم
کے اس مختصر سے جملے کی معنویت اور اہمیت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

دوسرا سوال:۔ (۱) دعوت و تبلیغ، تعلیم و تدریس، تزکیہ

و تربیت کا شرعی درجہ کیا ہے؟ کس چیز میں لگنا فرض عین ہے؟ اور کیا
چیز فرض کفایہ ہے؟ (۲) نیز موجودہ زمانے میں دعوت و تبلیغ کی

مسلمین وغیر مسلمین میں شرعاً کیا حیثیت ہے؟ (۳) اور مروجہ دعوت و تبلیغ (چلہ چار مہینہ) کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (۴) فی زمانہ مدارس اور خانقاہوں کا وجود شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟ (۵) جو اس کے وجوب کا مخالف ہو اس کا کیا حکم ہے؟

اس دوسرے سوال میں کئی اجزاء تھے اسلئے سہولت کے لئے ہم نے ان کو الگ الگ نمبروں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اب ان کا جواب ملاحظہ کیجئے۔

جواب:۔ (۱) دین کے سب کام ضروری ہیں، مکاتب کا کام مسلمان بچوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ہے جو فرض عین ہے، عربی مدارس کا کام طلباء کو پورے دین کی تعلیم دینا ہے جو فرض کفایہ ہے۔

مشتی صاحب کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم و تدریس کے دو درجے ہیں ایک درجہ مکاتب میں بچوں کو تعلیم دینے کا ہے۔ دوسرا مدارس میں،، کاتب کی تعلیم تو فرض عین ہے کیونکہ یہ بنیادی تعلیم ہے جہاں بچوں کو ابتدائی دینیات اور قرآن پاک کی تعلیم کا نظم ہوتا ہے یہ درجہ تو فرض عین کا ہے۔ اور عربی مدارس کا کام طلباء کو پورے دین کی تعلیم دینا ہے جو فرض کفایہ ہے۔ یعنی ہر شخص کا عالم بننا فرض نہیں ہے۔ اگر ایک دو شخص گاؤں میں عالم بن گئے تو تمام لوگوں کے ذمہ سے یہ فرض ساقط ہو جائیگا۔ متعلقہ گاؤں اور شہر کے لوگ اس عالم دین سے مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیا کریں گے۔ ضرورت پوری ہو جائے گی اور یہ ضرورت مدارس

عربیہ سے پوری ہو رہی ہے جہاں طلبہ کو پورے دین کی تعلیم دی جاتی ہے کسی خاص جزء کی نہیں، انھیں مکمل دین کا مکمل عالم بنایا جاتا ہے۔ یہ درجہ فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۲) دوسرے جزء کا جواب مشتق صاحب نے یہ تحریر فرمایا ”جماعت تبلیغ کا کام بڑی عمر کے لوگوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ہے۔“

سائل نے مسلمین اور غیر مسلمین دونوں میں دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت کے بارے میں پوچھا تھا۔ تو یہاں مسلمین میں دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت بیان کی گئی۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا اس جماعت سے یہی مقصد تھا کہ جو لوگ مدرسوں اور مکتبوں میں تعلیم حاصل نہیں کر سکے اور بڑی عمر کے ہو گئے تو جماعت کے ذریعہ ان کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے گا اور گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کو کلمہ و نماز و روزہ سکھایا جائے گا، لیکن یہ مکمل دین کا سکھانا نہیں کہا جائے گا۔ جس طرح مکاتب میں چھوٹے بچوں کو ضروری اور بنیادی تعلیم دی جاتی ہے اس کے بعد مکمل دین کا مکمل علم حاصل کرنے کے لئے انھیں مدارس عربیہ میں داخلہ لینا ضروری ہے اسی طرح جماعت کے ذریعہ عوام کو موٹی موٹی اہم اور بنیادی باتوں کی تعلیم دے کر انھیں علمائے کرام کے پاس بھیجا جائے تاکہ ان کی زندگی میں پورا دین آ جائے۔ جماعت کے ذریعہ بے طلب لوگوں میں دین کی تکمیل کی طلب پیدا کرنا ہے۔ جب طلب پیدا ہو جائے تو اب جماعت کا کام ختم ہو گیا اس کے لئے اب علماء کی خدمات حاصل کی جائیں۔ مگر جماعت کے افراد عوام کی تعلیم سے زیادہ اپنی جماعت بڑھانے کے لئے

زیادہ کوشش کرتے نظر آتے ہیں اسی لئے آج تک تاریخ میں یہ ریکارڈ کہیں موجود نہیں ہے کہ جماعت والوں نے اپنا کام پورا کرنے کے بعد عوام کو علماء سے جوڑا ہو، بلکہ اس کے برعکس علماء کے خلاف عوام کا ذہن بنا کر انھیں علماء و مدارس سے بدظن کرنے اور کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ ساری خرابی پیدا ہوئی ہے۔

غیر مسلمین میں دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں جواب دیتے ہوئے حضرت مفتی صاحب ارشاد فرماتے ہیں ”اور غیر مسلمین کو دین کی دعوت دینا مستقل ایک کام ہے“ اور یہ مستقل واہم کام نہ جماعت والے کر رہے ہیں نہ علماء کی ادھر توجہ ہے اس بات کی شکایت حضرت نے کچھ وضاحت کے ساتھ اپنے ایک بیان میں بھی کی ہے، ہم انھیں کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہندوستان کے حالات ایسے نہیں ہیں کہ ہم غیر مسلموں کو دعوت دیں، نا چنا نہیں آتا آنگن ٹیڑھا بنا دیا مکہ کے حالات کہاں تھے ایسے، جو غیر مسلموں کو دعوت دی جائے اور وہاں حضور نے سب سے پہلے غیر مسلموں کو دعوت دی ہے جب کہ مکہ کے مقابلے میں ہندوستان کے حالات نہایت شاندار ہیں مگر یہ فیلڈ خالی پڑا ہے۔ کوئی نہیں مسلمانوں میں جوان بیچاروں تک دین اسلام صحیح طریقہ سے پانچاؤے، ایمان لانا نہ لانا ان

کا کام ہے ان کو دین اسلام سمجھانا یہ تو داعی کی ذمہ داری ہے اور داعی آپ ہی حضرات ہیں۔ اگر آپ ہی (علماء) حضرات داعی نہیں ہیں تو پھر اس زمین پر کوئی بھی داعی نہیں ہے، آپ ہی (علماء) وارثین انبیاء ہیں۔

(اقتباس از خطاب محدث کبیر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن

پوری)

تاریخ 16.12.2008 بنگلور

(۳) تیسرے جزء کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے ”موجودہ طریقہ تبلیغ تعلیم بالغان کی ایک صورت ہے جو نہایت مفید ہے“ اگر صحیح اصول کے ساتھ یہ کام انجام دیا جائے تو اس کے مفید ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ لیکن اس کے مفید ہونے کی وجہ سے اس طریقے کو واجب نہیں قرار دیا جائے گا۔ اس طریقہ سے ہٹ کر بھی بہت سے طریقے دعوت و تبلیغ کے ہیں۔ اسی ایک طریقہ میں دعوت و تبلیغ منحصر نہیں ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے مفید فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اس میں کوئی گڑبڑ اور مفسدہ نہ ہو تو اس طریقہ سے بھی فائدہ ہوتا ہے بشرطیکہ اصول شرع کے مطابق کیا جائے، لیکن اب جب کہ اس میں سینکڑوں قسم کی گڑبڑیاں پیدا ہو چکی ہیں جیسا کہ اس سے پہلے خود مفتی صاحب ہی کے الفاظ میں نقل کیا گیا تو اب یہ جماعت، ائمہ، ما اکبر من

نفعیہ، کامعدان بن چکی ہے، لہذا اب فائدہ سے زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے۔

(۴) چوتھے جزء کا جواب پہلے جزء میں آگیا ہے اسی طرح پانچویں جزء کا جواب بھی اسی سے نکل آتا ہے۔ یعنی جب بنیادی تعلیم فرض ہے تو مدرسہ کا وجود بھی ضروری ہوا۔ اسی طرح نفس کی اصلاح کے لئے خانقاہ کا انجام بھی شرعاً واجب قرار پایا، جو شخص مدارس و خواتق کا مخالف ہو وہ امور واجبہ کا مخالف ہے اور سخت گنہگار ہے۔

تیسرا سوال: کیا عہد نبوت اور عہد صحابہ میں دعوت و تبلیغ

یا تعلیم و تزکیہ وغیرہ کسی مخصوص طرز کے ساتھ متعین تھے اور ان کا کوئی لگبندھا طریقہ تھا یا کوئی خاص شکل شرعاً متعین نہیں کی گئی تھی، اگر کوئی شخص موجودہ مروجہ طریقہ دعوت (چلم چا رمہینہ) کو کہے کہ صحابہ کا یہی طریقہ تھا یعنی وہ چلم یا چا رمہینہ لگاتے تھے تو یہ صحیح ہو گا یا نہیں؟ اور یہ کہنے والا کیا تحریف فی الدین کا مرتکب کہلائے گا؟

یہاں مفتی صاحب کا جواب نقل کرنے سے پہلے راقم الحروف اتنا ضرور عرض کرے گا کہ تعلیم و تزکیہ کے بارے میں سوال کرنا محض تکلف کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ میں آیا۔ کیوں کہ اس کی ضرورت (سوائے کارکنان تبلیغ کے) سب کے نزدیک مسلم ہے۔ اور مفتی صاحب کے بقول جابلوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ بہر حال اس سوال کا جواب حضرت مفتی صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

جواب ۳: ”اس کا جواب تمہیدی باتوں میں آگیا ہے، دینی کاموں

کا کوئی مخصوص طرز متعین نہیں جیسے نفس علاج سمیت ہے مگر اس کا کوئی مخصوص طریقہ سنت نہیں۔“

جواب بالکل واضح ہے کہ دینی کاموں کے لئے چاہے وہ مدرسہ ہو یا دعوت و تبلیغ، شریعت نے کوئی خاص شکل و صورت متعین نہیں کی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے قول و فعل سے اس کو متعین کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ شریعت کی نظر میں مجرم اور گنہگار ہے، اور غیر واجب کو واجب کرنا اور غیر متعین کو متعین کرنا ہی بدعت کہلاتا ہے جیسا کہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اصلاحی خطبات جلد اول میں فرماتے ہیں۔

دین کے جن کاموں کو انجام دینے کا اللہ اور اللہ کے رسول نے کوئی خاص طریقہ نہیں بتلایا ان کاموں کو جس طرح چاہیں انجام دے سکتے ہیں لیکن اگر ان کاموں کے لئے اپنی طرف سے کوئی خاص طریقہ مقرر کر لیا جائے اور اسی طریقے کو لازم اور ضروری قرار دے دیا جائے تو وہ بدعت بن جائے گا۔ (ص، ۲۲۸)

اور صفحہ ۲۲۶ پر فرماتے ہیں۔

”اسی طرح لوگ تبلیغی نصاب پڑھتے ہیں اور دینی اعمال کی فضیلتیں سناتے ہیں یہ بڑے ثواب کا کام ہے اب اگر کوئی اس کو متعین کرے

کہ تبلیغی نصاب ہی پڑھنا ضروری ہے اور یہی سنت ہے اور اس کے علاوہ اگر کوئی دوسری کتاب پڑھی جائیگی تو وہ مقبول نہیں تو اس صورت میں یہ تبلیغی نصاب پڑھنا بھی بدعت بن جائے گا۔ لہذا کسی بھی عمل مباح کو یا اجر و ثواب والے عمل کو خاص وقت اور خاص حالات کے ساتھ مربوط کر کے لازم قرار دے دیا جائے تو وہی بدعت بنا دیتا ہے۔“

اب ہر شخص خود دیکھ سکتا ہے کہ اہل جماعت نے اپنے مخصوص طریقے کو متعین کر رکھا ہے یا نہیں؟ اپنے اس مخصوص طرز کے سوا وہ کسی اور طریقے سے مطمئن ہی نہیں ہوتے اسی طرح فضائل اعمال اور منتخب احادیث کے علاوہ کسی دوسرے عالم کی تصنیف کے لئے ان کے یہاں کوئی جگہ نہیں، حتیٰ کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی کتابوں کا پڑھنا بھی یہ ہرگز کوارہ نہیں کرتے، جبکہ بانی تبلیغ نے اس کی وصیت بھی کی تھی۔ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے پورا نصاب بھی تیار کروایا تھا مگر آج اس کو اس طرح غائب کر دیا گیا ہے کہ اب اس کے بارے میں کسی کو پتہ بھی نہیں ہے کہ وہ نصاب کیا تھا؟ ان کو اپنے اس مخصوص طرز پر اتنا اصرار ہے کہ علماء کو بھی یہ اپنے اسی طریقے پر لانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ اور جو ایسا نہیں کرتا اس کو وہ دین سے ہٹا ہوا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک معتبر عالم کے ذریعہ میں نے سنا کہ جماعت کے ایک امیر صاحب فرما رہے تھے کہ ”الحمد للہ اب دیوبند میں بھی دین کا کام ہونے لگا ہے۔“ یہ ان کے غلو کی انتہا ہے کہ جس دیوبند نے مولانا الیاس صاحب کو

پیدا کیا وہ دیوبند اب تک دین کا کام نہیں کر رہا تھا۔ جب دیوبند میں جماعتیں آنے جانے لگیں تو وہاں دین کا کام ہونے لگا۔ (نعوذ باللہ من ذلک) یہ سب کیا مخصوص و متعین کرنا نہیں ہے؟

حضرت مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم نے تو صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ ”دینی کاموں کا کوئی مخصوص طرز متعین نہیں“ اب آگے آدمی خود سمجھ لے کہ جب کوئی طرز متعین نہیں ہے اور جماعت والوں نے اسے متعین کر رکھا ہے تو پھر یہ طریقہ یقیناً بدعت ہو جائے گا۔

(۲) سوال کا دوسرا جزء یہ تھا کہ ”اگر کوئی شخص موجودہ مریجہ طریقہ دعوت (چلہ چار مہینہ) کو کہے کہ صحابہ کا یہی طریقہ تھا تو یہ صحیح ہو گیا نہیں؟“

اس کا جواب حضرت مفتی صاحب نے جواب نمبر ۳ میں عنایت فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں ”دور اول کے کام سے استناد تو کر سکتے ہیں مگر اس کو بدعیہ صحابہ والا کام نہیں کہہ سکتے“ لہذا ثابت ہو گیا کہ جماعت والے جو اپنے کام کو نبیوں والا کام اور صحابہ والا کام کہتے ہیں یہ کہنا درست نہیں کیونکہ اس طریقے سے صحابہ نے نہیں کیا ہے۔ کتنا صاف و صریح انداز ہے۔ اور کس قدر واضح الفاظ ہیں۔ اب اتنے پر بھی اگر کسی کے سمجھ میں نہ آئے تو کیا کیا جاسکتا ہے۔

چوتھا سوال :- کیا خاص و عام ہر ایک مسلمان کو مریجہ دعوت کی محنت

میں یعنی چلہ چار مہینہ میں لگنا ضروری ہے اگر کوئی عالم یا مربی عوام کی دینی اصلاح کے لئے دعوت و تبلیغ کے مروجہ طریقہ سے ہٹ کر کوئی اور مفید صورت تجویز کرے مثلاً (ہر دوئی کا دعوت الحق کا نظام وغیرہ) تو شرعیاً دوسرا طریقہ بھی صحیح کہلائے گا یا نہیں؟ اگر کوئی حرام اور غلط کہے تو کیا حکم ہے؟ اور اگر حرام نہ کہتے ہوئے اسے جبر یا سازش سے بند کرانے کی کوشش کرے تو کیا حکم ہے؟

جواب: دعوت و تبلیغ کا کوئی بھی بیج اپنا سکتے ہیں، کوئی خاص طریقہ متعین نہیں۔

سوال میں دوسرے طریقے کو حرام کہنے کی نسبت صراحۃً اگرچہ جماعت کی طرف نہیں کی گئی ہے لیکن اتنی بات تو ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے کہ دوسرے طریقے سے دعوت و تبلیغ کو غلط قرار دینے یا اسے سازش کر کے جبراً بند کرانے کی کوشش میں کون لوگ شامل ہو سکتے ہیں؟ حضرت مفتی صاحب نے اگرچہ اسکا جواب مرحمت نہیں فرمایا لیکن ہر جزء کا جواب دینا ضروری بھی نہیں ہوتا، بہت سی باتیں آدمی از خود سمجھ سکتا ہے۔ جب کوئی بھی جائز و مفید طریقہ اپنا سکتے ہیں تو کسی جائز طریقے کی مخالفت وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یا تو جہالت کا شکار ہوں گے یا فرقہ بندی کے۔ اور شریعت میں یہ دونوں باتیں مذموم و ممتنع ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔

پانچواں سوال: دینی مدارس کے اساتذہ یا تنخواہ پر ہاتھ پڑھاتے ہیں جب کہ دعوت و تبلیغ والے حضرات کا کہنا ہے کہ وہ اپنا خرچ خود لگاتے ہیں تو کیا مدرسہ کی خدمت کا معاوضہ یا تنخواہ لینے کے سبب مدرسہ کا مدرس و ملازم دینی خدمت میں مشغول کہلانے کا مستحق نہیں اور کیا وہ تنخواہ کی وجہ سے آخرت کے اجر کا مستحق نہیں رہا، خیر القرون اور خلافت راشدہ کے عہد میں مستقل دینی خدمت میں مشغول حضرات کے لئے اجرت تنخواہ یا وظیفہ کا ثبوت ملتا ہے؟

(۲) اگر کوئی مدرس کے فروغ اور اجرت لینے کو دنیا کا دھندا کہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: متاخرین نے ضروری طاعات مقصودہ پر تنخواہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے پس ان کا کام بھی بالیقین دینی خدمت ہے وہ آخرت کے اجر کے حقدار ہوں گے پہلے حکومت و خائف دینی تھی اب ملت یا ادارے تنخواہ (ضروریات زندگی) مہیا کرتے ہیں اس سے اخروی اجر ختم نہیں ہوتا۔ سوال و جواب دونوں آپ نے پڑھ لیا۔ حضرت مفتی صاحب نے سوال کے پہلے جزء کے بارے میں واضح کر دیا کہ تبلیغی جماعت کے جاہل اور ناخواندہ و نااہل مبلغین حضرات علماء کرام پر اپنی برتری ثابت کرنے کی جو نارا کوشش کرتے ہیں وہ سراسر جہالت

پر مبنی ہے۔ ان کو تنخواہ دار ملازم قرار دے کر عوام کے دلوں سے ان کی عظمت کم کرنے کی کوشش کرنا بلکہ بس چلے تو خدا کی نگاہ سے بھی گرانے کی مذموم حرکت کرنا سوائے بد دینی اور گمراہی کے کچھ نہیں، جاہل ہزار سال تک بھی بے ریا عبادت کر لے تو وہ کسی عالم دین کی ایک سال کی دینی خدمت کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ فضیلت کا معنی شریعت نے علم کو قرار دیا ہے پیسے کو نہیں، لیکن یہ اپنی بد بختی سے اپنے کو اہل علم سے اعلیٰ و افضل ہونے کا یقین دلوں میں جمائے ہوئے ہیں، یہ ان کے اجہل ہونے کی علامت ہے۔ چند روپیوں کے خرچ کر لینے سے لوگ اسی طرح بدتر و بالا ہو جایا کرتے تو ایک سے ایک پیسے والے پڑے ہوئے ہیں جو علماء کرام کے مقابلے میں لاکھوں گنا خرچ کر کے جاہل رہتے ہوئے بھی عالم بننے کی فضیلت گھر بیٹھے حاصل کر لیتے، لیکن اللہ نے فیصلہ فرما دیا قل هل يستو الذین یعلمون و الذین لا یعلمون، عالم اور جاہل ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ لوگ چند غیر شرعی چلے لگا کر فتویٰ دینا شروع کر دیتے ہیں اور عالم جس نے علم کی تحصیل میں دسیوں سال خون جگر پیا ہے اس کو یہ ظالم اتنا بھی حق نہیں دینا چاہتے کہ وہ کسی مسجد یا مدرسہ میں سکون و اطمینان سے دین کی خدمت کر سکے۔ اگر اس نے ان کا غیر شرعی چلہ نہ لگایا تو اسے یہ جینے کا حق بھی دینے کو تیار نہیں۔ جھوٹی سازشیں کر کے وہ اس کا جینا حرام کر دیتے ہیں۔ اللہ ایسے ظالموں سے سمجھے، و سیدعلم الذین ظلموا ای مقلب ینقلبون۔

سوال کے دوسرا جزء کا جواب مفتی صاحب نے نہیں دیا اور اجرت لینے کو دنیا کا

دھندا قرار دینے والوں کے متعلق حکم شرعی نہیں بیان کیا کیوں کہ یہ اتنا ظاہر اور کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ ہر شخص خود اس کے بارے میں سمجھ سکتا ہے۔

چھٹا سوال: اگر کسی شخص نے مریضہ دعوت و تبلیغ میں بالکل وقت نہیں لگایا اور وہ کسی شیخ وقت کے پاس یا مدرسہ میں رہ کر اپنی اصلاح کرا کر لوگوں کو دینی امور کی طرف توجہ دلانا رہتا ہے ایسا شخص دعوت و تبلیغ میں وقت نہ لگانے کی وجہ سے کسی فریضہ کا تارک ہو کر گنہگار ہے؟ یا شرعاً وہ راہ راست پر ہے؟

حضرت مفتی صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

جواب: شرعاً راہ راست پر ہے تارک فریضہ نہیں۔

معلوم ہو کہ جو آدمی تبلیغی جماعت میں شریک نہ ہو وہ بالکل صحیح راستے پر ہے، اس کو غلط کہنا اور سمجھنا درست نہیں کیوں کہ تبلیغی جماعت میں شرکت فرض نہیں ہے۔ بلکہ سنت بھی نہیں ہے۔ مفتی صاحب سے جتنا سوال پوچھا گیا تھا اتنا جواب عنایت فرما دیا۔ بات ختم ہو گئی۔ لیکن ٹھہریے ابھی بات ختم نہیں ہوئی، ذرا یہ سوچئے کہ اس سوال کی نوبت کیوں پیش آئی؟ سائل یہ کیوں پوچھ رہا ہے جو مریضہ تبلیغ میں نہیں لگا وہ کسی فریضہ کا تارک تو نہیں؟ کیوں کہ تبلیغی جاہلین اس طریقے کو فرض قرار دیتے ہیں تبھی تو اس میں نہ لگنے والوں کو لعن طعن کرتے ہیں اور ایسا نہیں کہ اس کو فرض و واجب قرار دینے والے سب جاہل گنوار ہی ہیں

، بہت سے مولوی اور عالم بھی یہی کہتے اور لکھتے ہیں کہ اس میں لگنا واجب ہے اب ایسے مولویوں کی جہالت کا اندازہ مفتی صاحب کے جواب سے آپ خود کر لیں کہ وہ بے خبری اور جہالت کے کس تاریک غار میں بھٹک رہے ہیں۔ اگر اہل تبلیغ اس کو واجب اور فرض کا درجہ نہ دیتے تو اس سوال کی حاجت ہی نہ تھی۔ ان کی گمراہی کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے۔ شرعی طور پر جو چیز واجب نہیں یہ اس کی فرضیت کے قائل ہیں۔

ساتواں سوال:۔ مریبہ محنت (چلم چارمہینہ) میں معروفات پہ سارا زور ہوتا ہے منکرات کو قصداً چھیڑا نہیں جاتا تو کیا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم صرف معروفات کی محنت سے پورا ہو جائے گا نیز حسب استطاعت منکرات پر تکیر کے بغیر معروفات اور علم و عمل کی تبلیغ کو مکمل تبلیغی کام کہنا اور منہج نبوت کے مطابق کہنا صحیح ہوگا؟ اور کیا امت کے لئے معروفات کی تبلیغ کی محنت کافی ہے نہی عن المنکر والی جماعت کا وجود ضروری نہیں؟

جواب:۔ نہی عن المنکر بھی دین کا جزء ہے اس کا بھی احترام ہونا چاہئے۔

تبلیغی جماعت کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ یہ امر بالمعروف کے قائل ہیں مگر نہی عن المنکر نہ صرف یہ کہ کرتے نہیں بلکہ اس کے مخالف ہیں حالانکہ جس طرح نیک کام کا حکم کرنا ضروری ہے اسی طرح بری بات سے روکنا بھی ضروری ہے۔ مگر یہ اس کو نہیں مانتے

حضرت مفتی صاحب فرما رہے ہیں یہ بھی دین کا جزء ہے اس کا بھی اہتمام ہونا چاہئے مگر تبلیغی حضرات مفتی صاحب کی بات کو ٹھکرا دیں گے آپ جب چاہیں دیکھ لیں اور تجربہ کر لیں۔ اس فتوے کو شائع کیے ہوئے کتنا وقت گزر چکا ہے لیکن ان کا رویہ آج بھی یہی ہے کہ نہی عن المنکر کو پورا پورا اپنے پروگرام سے خارج کئے ہوئے ہیں۔ اور دعویٰ اتنا سہا چوڑا کہ ہم اکیلے دین کے ٹھیکیدار ہیں۔

آٹھواں سوال:۔ دعوت و تبلیغ یعنی چلم چارمہینہ میں لگنے کا کام

زیادہ تعداد میں لوگ کر رہے ہیں، تصنیف و تالیف، مدریس و افتاء،

تزکیہ و اصلاح میں نسبتاً افراد کم ہیں۔ سوال یہ ہے کہ دیگر دینی مذکورہ شعبوں

میں مشغول افراد کو بھی وقت لگانا ضروری ہے یا وہ دعوت و تبلیغ سے زیادہ اہم

کام میں مشغول کہلائیں گے۔

جواب:۔ ہر فرض کفایہ بقدر کفایہ فرض ہے اور جو کوئی دین کی کوئی لائن پکڑے وہ

دوسری لائنوں سے کام کرنے والوں کی ہموائی کرے مخالفت نہ کرے، مگر یہ کہ وہ کام غلط ہو

۔ یہ مخالفت نہ کرنے کا حکم حضرت مفتی صاحب نے اس وقت کے لئے دیا ہے جب کام صحیح

ہو تو یقیناً ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے اسی طرح مل جل کر کام ہوتا ہے۔ لیکن

اگر کام شریعت کے مطابق نہیں ہے جیسا کہ مریبہ تبلیغ کے متعلق ثابت ہو چکا ہے تو اب اس

کی ضرورت مخالفت کرنی چاہئے۔ مفتی صاحب خود فرما رہے ہیں کہ جو کام غلط ہوگا اس کی

مخالفت کی جائے گی۔ ان کے الفاظ غور سے پڑھیں ”ہموانی کرے مخالفت نہ کرے مگر یہ کہ وہ کام غلط ہو“ یعنی کام صحیح ہو تو آپس میں ایک دوسرے کی معاونت کرنا چاہئے لیکن کام غلط ہو تو اس کی تائید و اعانت نہیں کرنا چاہئے بلکہ مخالفت کرنا چاہئے کیوں کہ قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ میں جس چیز کی نفی کی جاتی ہے حرف استثناء سے اسی کا اثبات مقصود ہوتا ہے۔

سوال :- اگر کسی ایک مسجد میں مدرسہ و تبلیغ کا نظام دونوں قائم ہوں، اور مدرسہ میں تعلیم و تعلم کے کام سے تبلیغی کام کے مشورہ یا ان کے سونے میں خلل پڑتا ہو تو کیا تبلیغی احباب قرآن پڑھنے والے طلبہ یا علوم دینیہ کے تکرار اور مطالعہ سے طلبہ کو روک کر اپنا کام جاری رکھ سکتے ہیں ایسی صورت میں وہاں سے مدرسہ کو ختم کرنا چاہئے یا تبلیغی کام کو، اگر مدرسہ کی تعلیم کی وجہ سے تبلیغی حضرات اپنا کام کہیں اور منتقل کریں تو ان کو ثواب ہوگا یا نہیں؟ اس طرح اہل تبلیغ حضرات کی خواہش کی بنا پر مدرسہ کو اگر ختم کر دیا جائے (جبکہ وہ علاقہ کا بڑا مدرسہ ہو اور تبلیغی کام وہاں کی درجنوں مساجد میں انجام دیا جا رہا ہو) تو کیا مدرسہ بند کرنا بھی درست ہوگا؟ شرعاً کس عمل کو ترجیح ہوگی؟

جواب :- مسجدیں درحقیقت نماز کے لئے ہیں فارغ اوقات میں دوسرے دینی کام کئے جاسکتے ہیں اور نماز سے مراد فرائض، واجبات اور

دیگر ملحق سنتیں ہیں ذاتی و خائف مراد نہیں۔ پس فارغ اوقات میں باہم موافقت کے ساتھ دونوں کام کئے جائیں۔ منازعت سے بچا جائے۔

جواب میں منازعت سے بچنے اور باہمی موافقت کے ساتھ کام کرنے کی ہدایت ہے لہذا حضرت مفتی صاحب کا جواب ایسے مقام کے لئے ہے جہاں سمجھدار لوگوں سے واسطہ ہو اور وہ صرف اپنے ہی کام کو دین کا کام نہ سمجھتے ہوں بلکہ دوسروں کی رعایت کرنے کا بھی مزاج ہو۔ لیکن یہاں جس طبقے سے معاملہ ہے اس میں امیر سے لیکر مامور تک سب بے علم اور ہٹ دھرم ہیں وہ علماء اور مدارس کو پھوٹی آنکھ بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے تو انھیں اس نرم و نازک نصیحت سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں! کیا دینی و شرعی نقطہ نظر سے یہ بات جائز اور درست کہی جاسکتی ہے کہ جہاں تعلیم و تعلم اور درس و تدریس سے تبلیغیوں کے مشورے اور سونے میں خلل پڑتا ہو تو طلبہ کی تعلیم وہاں روک دی جائے؟ تاکہ تبلیغی کارکنوں کے سونے میں خلل نہ واقع ہو۔ کو حضرت مفتی صاحب نے مصلحتاً اس سے تعرض نہیں فرمایا لیکن سوال بجائے خود جواب ہے۔

اگر مساجد میں دینی تعلیم کی گنجائش نہیں تو اس کو مسافر خانہ بنا کر دو تین درجن لوگوں کا سونا و کھانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ سائل نے اس بات کی بھی وضاحت اپنے سوال میں کر دی ہے کہ مدرسہ علاقے کے بڑے مدرسے میں شمار ہوتا ہے اور جماعت کا کام وہاں کی درجنوں مساجد میں چل بھی رہا ہے مدرسہ والے دیگر مساجد میں

ہونے والے تبلیغی و دعوتی کام میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ڈال رہے ہیں مگر یہ غالی تبلیغی ایک مدرسہ کا وجود بھی برداشت نہیں کر پا رہے ہیں اور مدرسہ کو مشورہ اور سونے میں خلل پڑنے کی وجہ سے بند کرنا چاہتے ہیں تو اس کووائے شرارت اور ذباخت نفس کے اور کیا نام دیا جاسکتا ہے۔ تبلیغیوں کی خواہش ہے کہ مدرسہ بند کر دیا جائے اور اس طرح تعلیم و تعالیم اور درس و تدریس کا سلسلہ روک دیا جائے لیکن انکے سونے اور مشورے میں خلل نہ آنے پائے۔ حضرت مفتی صاحب نے واضح کر دیا کہ مساجد عبادت اور نماز کے لئے بنائی جاتی ہیں سونے اور کھانے کے لئے نہیں، ہاں جب نماز کا وقت نہ ہو تو دینی کام مساجد میں کئے جاسکتے۔ قرآن پاک کی تعلیم و تدریس سے بڑھ کر دینی کام اور کیا ہو سکتا ہے مگر تبلیغی کارکن اس کام میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں اور مدرسہ بند کرنا چاہتے ہیں تو انکا یہ عمل کوئی بھی ہوش مند کیوں کر درست ٹھہرا سکتا ہے؟ کیونکہ جب تبلیغی و دعوتی کام دیگر مساجد میں انجام دئے جا رہے ہیں تو مدرسہ والوں سے، جھگڑنا جائز و درست نہیں ہے۔ مدرسہ والوں کو اپنا کام کرنے دینا چاہئے اور تبلیغی لوگ اپنا بوریا بستر باندھ کر وہاں سے نکل جائیں۔ اور جن دوسری درجنوں مساجد میں دعوت و تبلیغ کا کام چل رہا ہے اس میں ضم ہو جائیں۔ اس طرح دین کے دونوں شعبے زندہ اور باقی رہیں گے اور تعلیم و تدریس و دعوت و تبلیغ کا فریضہ پورا ہوتا رہے گا۔ لیکن اگر تبلیغ والے اپنی ناجائز حرکتوں کی بنیاد پر مدرسہ بند کر دیں گے تو وہ عند اللہ سخت مجرم اور گنہگار ہونگے۔

ضروری تنبیہ:- یہ سب حکم اس شکل میں ہے جب مروجہ تبلیغ میں اصول شرع کی پابندی کے ساتھ کام ہو رہا ہو ورنہ التزام بالایلمزم، مندوب و مستحب امور پر اصرار و تادید، مذاہبی و اہتمام سے جائز کام بھی غیر مشروع اور بدعت ہو جاتا ہے۔ سنت و مستحب کام کی وجہ سے واجب کا ترک جائز نہیں ہے۔ تو اگر مسجدوں میں بدعتیں انجام دی جا رہی ہوں تو بدرجہ اولیٰ اس کی وجہ سے ایک امر واجب (تعلیم و تدریس) کو بند کرنا کسی صورت میں جائز و درست نہیں ہوگا لہذا مذکورہ مقام پر مدرسہ کو بند کرنا سخت نادانی ہے۔ اسکی کوشش کرنے والے خدا کے نزدیک بہت بڑے مجرم قرار پائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر اس انداز کی بات جواب میں لکھی گئی ہوتی تب بھی اسکی توقع نہیں تھی کہ تبلیغی لوگوں کے کانوں پر جوں ریگتی اور وہ بے چون و چرا اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت مفتی صاحب نے سخت لہجہ اختیار کرنے کے بجائے شفقت بزرگانہ کا انداز اپنایا اور تہدید کے بجائے نرم الفاظ استعمال کئے مگر:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے بیرے کا جگر مردنا داں پہ کلام نرم و نازک بے اثر
آج ہر مقام پر اسکا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ تبلیغی جماعت کے لوگ مساجد کو اپنی جائگہ سمجھتے ہیں اور جہاں کہیں یہ طاقت اور افرادی قوت رکھتے ہیں وہاں یہ کسی دوسرے دینی کام کو ایک منٹ کے لئے برداشت نہیں کرتے۔ اور آسانی سے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاتے تو غنڈہ گردی اور سازش کے ذریعہ اپنا قبضہ جمانے کی کوشش کرتے

ہیں۔ اب یہ قصے اتنے عام ہیں کہ اس پر کوئی دلیل پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ ان سب کے باوجود حضرت مفتی صاحب نے سخت لب و لہجے میں کچھ تحریر نہیں فرمایا حالانکہ ہمارے واقعات و حوادث کا ان کو بخوبی علم ہے۔ ایک جاہل اور عالم دین میں یہی فرق ہوتا ہے کہ جاہل بدکلامی اور بدتہذیبی پر اتر آتا ہے مگر عالم اپنی شرافت اور علمی وقار کا لحاظ کرتے ہوئے بات کرتا ہے۔ جب نرمی اور شرافت سے بات سمجھ میں نہیں آتی تو مجبوراً سختی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ کسی خارش زدہ کتے کو اگر یہ کہا جائے کہ جناب والا یہاں سے تشریف لے جائیے تو وہ اتنی نستعلیق زبان بھلا کیا سمجھے گا؟ آپ رفیق ولیہت کا پیکر بنے رہیں گے تو وہ آپ کو کاٹ بھی سکتا ہے اس کے لئے جس لب و لہجے اور عمل کی ضرورت ہے وہ ہر آدمی خوب سمجھتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے کتنے واضح اور دو ٹوک انداز میں فرمایا،، ذاتی وظائف مراد نہیں،، کھانا اور سونا ذاتی عمل ہے۔ مسجدیں کسی کے سونے کے لئے نہیں بنائی جاتیں مگر آج ہر مسجد میں انکے سونے اور کھانے کا معقول انتظام کیا جاتا ہے اور اسے گوارا کیا جاتا ہے جبکہ شریعتاً حضرت مفتی صاحب کے بقول مساجد ان چیزوں کا محل نہیں ہیں۔ اور وضع الشیء فی غیر محلہ ظلم ہے۔ ظلم ناجائز ہے مگر کون ہے جو ان ظالموں کا ہاتھ پکڑے، اور اس ناجائز عمل سے انکوروں کے ہمیں مستقبل میں اس کی قطعاً کوئی امید نہیں ہے کہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے یہ متین و پر وقار اور بزرگانہ الفاظ و نصیحت مرید تبلیغ کے چکنے

گٹھروں پر کچھ اثر ڈال سکیں گے۔ آدمی جب فساد و بگاڑ کے انتہائی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو ختم اللہ علی قلوبہم کا مصداق بن جاتا ہے۔

سوال سوال :- جن مساجد میں معتبر علماء کرام اور مفتی حضرات امام ہیں اگر وہ تفسیر قرآن یا درس حدیث کے ذریعہ لوگوں کو دین و علم دین سے جوڑتے ہوں تو ان کی تفسیر اور بیان و تقریر سے گریز کرنا اور دوسروں کو گریز کرنے کا مشورہ دینا شرعاً کیسا ہے؟ جبکہ دوسرے وقت فضائل اعمال کی تعلیم بھی وہاں رائج ہے، اسی طرح کسی مسجد میں تفسیر قرآن جو معتبر علماء شروع کرنا چاہیں ان کو شروع نہ ہونے دینا اسکی مخالفت کرنا کیسا ہے؟

جواب :- یہ طریقہ مناسب نہیں، اس سے جماعت کے احباب کو بچنا چاہئے۔

آدمی جب نرم و شیریں لب و لہجہ کی قدر نہیں کرتا اور کسی مشفق و محسن کی نصیحت پر کان نہیں دھرتا تو منجانب اللہ اس کی اصلاح کے لئے دوسرا انتظام کیا جاتا ہے۔ سائل نے جس محتاط لب و لہجے میں سوال مرتب کیا ہے حضرت مجیب دامت برکاتہم نے اپنی شرافت نفس اور وقار علم کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے زیادہ احتیاط کے ساتھ الفاظ استعمال فرمائے، اور ایسے بد خو و بد مزاج لوگوں کو جماعت کے احباب کا عنوان دیا جو درس قرآن و درس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔ اے کاش انھیں اس کی قدر رہتی۔ اور اپنے اس گندے عمل

سے تائب ہوتے۔ یہ طریقہ مناسب نہیں، فتوے کی زبان نہیں، محبت و ہمدردی کا لہجہ ہے فتوے کی زبان میں تو اس عمل کو ناجائز و حرام اور گناہ کبیرہ لکھا جاتا۔ لیکن اس ہمدردانہ و مشفقانہ انداز نگارش سے ان کی سوچ بدلے گی اور جماعت کے نا عاقبت اندیش احباب اپنے اس غلط رویے پر کچھ غور و فکر فرمائیں گے ایک خواب ہی معلوم ہوتا ہے۔

گیارہواں سوال:- (مخلص) علماء کے عوام پر کیا حقوق ہیں اگر تبلیغی

حضرات تو لا وفعلاً علماء کے حقوق پامال کریں اور تبلیغی و غیر تبلیغی علماء میں

تفریق کریں نیز علماء کے وجود کو ضروری نہ قرار دیں تو کیا حکم ہے؟

جواب:- یہ سوال غیر ضروری ہے۔ جماعت کے خواص اس سے بری

نہیں اور عوام بے لگام کا اعتبار نہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے اس سوال کو غیر ضروری قرار دیکر جماعت کے خواص کو

اس سے بری قرار دیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ حضرت والا نے حد درجہ حسن ظن سے کام لیا

ہے۔ خیر کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اسکا نتیجہ جو سامنے آتا ہے اسکو بیان کر دینے میں کوئی حرج

بھی نہیں ہے۔ وہ یہ کہ جب نا اہل لوگ علماء کا مقام و منصب لے لیں گے تو اتنا خود

ارئوساً جہلاً لا فافتوا فضلو او اضلو کا منظر سامنے آئے گا اس وقت یہی ہو رہا ہے۔

بارہواں سوال:- (مخلص) انسانوں کی پیدائش کا اصل مقصد عبادت ہے

یا دعوت، کوئی اعتکاف سے یہ کہہ کر روکے کہ تم دعوت و عبادت کو جمع کرو

اعتکاف کی حاجت نہیں تو کہاں تک صحیح ہے؟

جواب:- مقصد تخلیق عبادت ہے اور دعوت اسکا ذریعہ ہے۔

یہاں دعوت کا لفظ قابل تشریح ہے۔ مریضہ تبلیغ میں یہ لفظ بڑی کثرت سے

استعمال ہوتا ہے اور وہ خود کو اسکا بہترین مصداق سمجھتے ہیں حالانکہ یہ صرف دھوکا اور فریب

نفس ہے۔ اس پر مزید گفتگو دوسرے کسی موقع پر ہوگی انشاء اللہ۔

تیرہواں سوال:- کیا موجودہ تبلیغی نظام شرعاً مقاصد وقف میں

شامل ہے یعنی مسجد میں جماعت کا حجرہ بنانا و مطبخ بنانا وغیرہ۔ اور تبلیغی

جماعت کے افراد کو مسجد کے پچھلے بجلی کے استعمال کا استحقاق ہے؟ (مخلص)

جواب:- اس سوال کا جواب دو باتوں پر موقوف ہے۔ یہ کام مسجد کی آمدنی سے

کیا جاتا ہے یا چندہ سے الخ اس کے جواب پر جواب موقوف ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے اسکا جواب موقوف فرمادیا۔ ہم بھی اسے موقوف رکھتے

ہیں۔

چودہواں سوال:- مسجد کے امام یا موزن کا مہینے میں تین دن کے

لئے یا سال کے چلہ کے لئے نکلنے پر مجبور کرنا یا التقرر کے وقت اسکی شرط لگانا

کیسا ہے اور ان ایام کی تحوہ دینا کیسا ہے؟ (مخلص)

جواب:- اسکا جواب تمہیدی باتوں میں آگیا۔

حضرت مفتی صاحب نے تمہیدی باتوں پر جواب کو محمول فرما دیا ہمارا خیال ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اس کو غلو سمجھا اور غلو کے بارے میں ان کی عبارت پہلے سوال کے جواب میں نقل کی جا چکی ہے۔ غلو مذموم اور ناجائز ہے۔ لہذا مفتی صاحب کے ارشاد کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اس طرح کی شرائط، اور امام و موزن کو چلمہ میں نکلتے کے لئے مجبور کرنا ناجائز ہے۔ بات صرف ظن و تخمین ہی سے کہی جاسکتی ہے اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور عبارت کی طرف اشارہ کیا ہو، بہر حال خلاصہ کلام یہ ہے کہ چلمہ کے لئے نکتہ شرعاً واجب نہیں ہے اور غیر واجب کے لئے اصرار کرنا، مجبور کرنا، کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے اسلئے تبلیغی کارکنوں کا یہ طرز عمل خلاف شرع ہو نیکی میں سے حرام ہوگا۔

پندرہواں سوال:۔ غیر عالم کو وعظ کہنا کیسا ہے؟ اگر کوئی غیر عالم داڑھی کٹاتا ہو اور لباس بھی غیر شرعی ہو اور وہاں علماء بھی موجود ہوں تو کیا ایسا شخص دینی مسائل بیان کر سکتا ہے، شرعاً کن شرائط کے ساتھ غیر عالم کو بات کرنے کی اجازت ہے؟

جواب:۔ غیر عالم کا وعظ دو طرح کا ہوتا ہے (۱) چھ نمبر کے دائرے میں رہ کر تفریق کے لئے بیان کرنا عامی کے لئے بھی جائز ہے (۲) دین کی باتیں بیان کرنا افادہ کے لئے، اس کے لئے عالم ہونا شرط ہے،، چھ نمبر کے دائرے میں رہتے ہوئے بیان کرنا تو مشق کہلاتا ہے جیسے بچوں کو کوئی

چیز یاد کرا دی جائے اور پھر سبقاً سبقاً سنی جائے تو ظاہر ہے کہ سننا سنانا سبق یاد کرنے اور مشق و تفریق کے لئے ہے نہ کہ وعظ بیان کرنے کے طور پر، اس صورت کے جائز ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ حضرت مفتی صاحب اسی سبق سنانے کو وعظ بیان کرنے سے تعبیر فرما رہے ہیں، یاد کیا ہوا سبق تنہا استاذ بھی سن سکتا ہے اور چند دیگر افراد کے سامنے بھی سنایا جا سکتا ہے اکیلے سنانا ہے تو اس کا نام تفریق ہے، مجمع کے سامنے سنانے تو مجازاً اسکو وعظ و بیان سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح مدرسوں میں بچوں کو مضامین یاد کرا دئے جاتے ہیں اور وہ مانک پر کھڑے ہو کر بیان کرتے ہیں تو مقصد وعظ و بیان نہیں ہوتا بلکہ مشق و تفریق ہے تاکہ آگے چل کر اپنی بات کھل کر کہنے کا سلیقہ طالب علم کے اندر پیدا ہو جائے۔

اور دوسری چیز ہے دین کی باتیں عوام کے سامنے بیان کرنا، اسکے لئے عالم ہونا شرط ہے۔ کیونکہ یہ تفریق نہیں، وعظ و نصیحت ہے۔ جاہل اگر بیان کے لئے ممبر پر بیٹھے گا تو وہ طرح طرح کی غلطیاں کریگا، خود بھی گمراہ ہوگا دوسروں کو بھی گمراہ کریگا، اس لئے حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ، مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے جاہل کو مجمع عام میں بیان کرنے سے سختی سے روکا ہے، وہ بجائے بیان کرنے کے کتاب پڑھ کر سنا دے، یہی بات حضرت مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم بھی فرما رہے ہیں کہ اگر دینی مسائل بیان کرنا ہو یا مجمع عام میں وعظ کہنا ہو تو پھر عالم ہی بیان کرے، جاہل کے لئے ایسے موقعوں پر بیان کرنا جائز نہیں ہے، البتہ کسی کو لفظ ”وعظ و بیان“ سے دھوکا ہو سکتا تھا۔ سو

ہم نے اسکی توجہ بیان کر دی کہ اس لفظ کا استعمال حضرت مفتی صاحب نے مجازاً کیا ہے، حقیقتاً نہیں۔ حقیقی بیان کے لئے تو وہ صاف صاف لکھ رہے ہیں کہ ”اس کے لئے عالم ہونا شرط ہے“ اسکا یہی مطلب تو ہوا کہ جاہل بیان نہیں کر سکتا۔

اور عامی سے مراد یہاں وہ شخص ہے جو عالم نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ فاسق و فاجر ہو، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔ داڑھی مونڈنا فسق ہے تو ایسے افراد کو مشق و تمرین کے لئے بھی کھڑا کرنے سے احتیاط کرنا لازم ہے۔ اس کام کے لئے منتخب افراد کو کم سے کم مشرّع تو ضرور ہونا چاہئے۔ جسکی وضع قطع خلاف شریعت ہو اگر اس کو اس منصب پر کھڑا کیا جائیگا کو وہ مشق و تمرین ہی کے لئے ہو تو چونکہ صورتاً یہ عمل وعظ و بیان سے مشابہ ہے اس لئے عوام کے دلوں میں اس کام کی بے قدری اور حقارت کے پیدا ہونے کا خطرہ ہے نیز یہ علم دین کی توجین بھی ہے کہ علانیہ فسق و فجو ر کرنے والے کو یہ منصب سپرد کیا جائے۔ حضرت مفتی صاحب کے ارشاد کا تعلق عامی سے ہے فاسق و فاجر سے نہیں۔ چونکہ عامیہ جماعت میں نکلنے والے پرانے لوگوں کی وضع قطع درست ہوتی ہے، اس لحاظ سے یہ بات کہہ دی گئی ورنہ اگر کہیں یہ صورت حال ہو کہ غیر شرعی لباس اور داڑھی کٹانے یا منڈوانے والے کو جماعت میں بیان کرنے کے لئے لوگ کھڑا کر دیتے ہوں تو اس کو سختی سے روکنے کی ضرورت ہے۔ یہ علم دین کی توجین ہے کہ کسی نااہل کو کھڑا کر دیا جائے۔

یہاں تک تو حضرت مفتی صاحب کے جواب کی تشریح میں عرض کیا گیا اب آئیے

دیکھتے ہیں کہ تبلیغی جماعت میں ہونا کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جماعت میں اب نہ کوئی ضابطہ ہے نہ اصول، اکابر علماء کے حکم کے خلاف اب دین و شریعت سے بے بہرہ لوگ اس کام کے ذمہ دار بنے ہوئے ہیں، جنہیں نہ آداب کا کوئی لحاظ ہوتا ہے نہ قواعد کا، بس منمانی خلاف شرع کام کرتے ہوئے بکثیر سواد ہی پر پوری محنت ہے اور بے ہنگم بھیرا کٹھی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور جاہل شخص کو بیان کرنے کے لئے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ سائل کو اسی بات پر تشویش ہے کہ اب دعوت و تبلیغ کے نام پر جاہلوں کو مجمع علماء میں وعظ و بیان کے لئے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ یہ بدترین صورت حال ہے۔ یاد رکھئے! اس سے بڑی گمراہی پھیل رہی ہے۔ بزرگوں سے سنا ہے، بڑوں نے فرمایا ہے، انکا حکم کلام ہے۔ جو بات بے حوالہ اور بے سند بیان کرنی ہے اسے بزرگوں اور بڑوں کے نام لگا کر بری ہو جانا تبلیغی کارکنوں کی ایک عام عادت بن چکی ہے۔ سو اس کی تاہید نہ حضرت مفتی صاحب فرما سکتے ہیں نہ دنیا کا کوئی اور عالم، اس لئے اس پر پابندی لگنی چاہئے۔

ایک بات کا تذکرہ ابھی باقی ہے نا چیز مناسب سمجھتا ہے کہ اسکو بھی ذکر میں لا کر اس پر وارد ہونے والے اشکال کا جواب دے دیا جائے تاکہ بات تشدد نہ رہ جائے، یہ اشکال حضرات علماء کی طرف سے ہو سکتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے عامی کے لئے چھ نمبر کے دائرے میں رہتے ہوئے جس تمرین کی اجازت دی ہے آخر اسکا مقصد کیا ہے؟ دیکھنے میں تو یہی آتا ہے کہ جو شخص جماعت میں کچھ وقت لگا لیتا ہے اور مشق و تمرین کے

ذریعہ اسے وعظ و بیان کرنا آ جاتا ہے تو اس سے مجمع عام میں بھی بیان کروایا جاتا ہے۔ اور وعظ و نصیحت کے ممبر پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ تو مقصد تو یہی ثابت ہوا کہ کوئی جاہل اگر چہ لگالے تو وہ بیان کا اہل مان لیا جاتا ہے۔ عالم ہو یا نہ ہو، حالانکہ مفتی صاحب خود بیان فرما رہے ہیں کہ دین کی باتیں بیان کرنے کے لئے عالم ہونا شرط ہے، تو اس شرط کی خلاف ورزی ڈکے کی چوٹ پر جماعت والے کر رہے ہیں، اور مفتی صاحب ترمین کے لئے عامی کا بیان جائز لکھ رہے ہیں۔ جبکہ بڑے بڑے اکابر علماء فرما رہے ہیں کہ غیر عالم ہرگز وعظ نہ کہے، جماعت میں اکثر لوگ غیر عالم ہی ہوتے ہیں۔ تو یہ بیان کرنا کس طرح جائز ہو گیا؟ اسکے علاوہ حضرات اکابر رحمہم اللہ اور حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے اقوال میں تعارض بھی ہے۔ کیونکہ اکابر کے یہاں مشق و ترمین کے نام پر کسی عامی کو بیان کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔ ہر شخص صاف طور پر دیکھ سکتا ہے کہ جماعت میں یہ مشق و ترمین اپنے سیکھنے کے لئے نہیں ہوتی، یا اپنا سبق یاد کرنے کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ وعظ کہنے اور مجمع عام میں بیان کرنے کے لئے جاہلوں اور عامیوں کے لئے ایک تربیتی کورس ہے۔ اگر اس نے جماعت میں جا کر یہ مشق بہم نہ پہنچائی ہوتی تو اسکو ہرگز علماء، یا مجمع عام کے سامنے بیان کرنے کی جرأت و ہمت نہ ہوتی، یہ لوگ پورے پروگرام کے تحت نا اہل کو وعظ کی حیثیت سے کھڑا کرنے کے لئے یہ ساری مشق و ترمین کراتے ہیں اس لئے درست نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب کے ارشاد کا مطلب اوپر جو

بیان کیا گیا ہے اس سے آگے بڑھ کر اسمیں مزید غیر ضروری وسعت پیدا کر لینا اور یہ مطلب نکالنا کہ عامی شخص جب ترمین و مشق کے لئے بیان کر سکتا ہے تو عمومی طور پر بھی وہ وعظ و بیان کا اہل ثابت ہو گیا، اور یہ بات حضرات اکابر علماء کے فتوؤں سے متعارض و متصادم ہے۔ یہ دونوں باتیں بالکل درست نہیں ہیں، کیونکہ حضرت مفتی صاحب بھی وہی فرما رہے ہیں جو اکابر علماء کی رائے ہے کہ غیر عالم مجمع عام میں وعظ کی حیثیت سے ہرگز وعظ و تقریر نہ کرے، اس کے لئے عالم ہونا شرط ہے۔ ہاں اپنے لئے بطور مشق و ترمین بیان کر سکتا ہے یہ بیان کرنا اپنا سبق یاد کرنے کے لئے ہے دوسروں کو وعظ و نصیحت کے طور پر نہیں۔ اگر کوئی دوسروں کے لئے وعظ و نصیحت کرنے کی اجازت بھی اس سے سمجھتا ہے تو اس نے فتوے کو سمجھنے میں خطا کی۔ بزرگوں کی تحریروں سے غلط مطلب نکال کر اپنا الوسیدھا کرنا اہل ہوا وہوس کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے۔ جس طرح ہمارے پہلے کے اکابر علماء اہل اغراض و ہوا کا نشانہ بنے، اگر اسی طرح کوئی فرد یا جماعت حضرت مفتی صاحب کی بات کو غلط معنی پہنائے تو عند اللہ وہ اس سے بالکل بری ہیں۔

سوالہاں سوال :- اسکا جواب نمبرہ میں آچکا ہے اس لئے مزید دہرانے کی ضرورت نہیں۔

سترہواں سوال :- اگر کسی نیک کام اور دینی تنظیم میں غلو اور بگاڑ عام ہو جائے، شرعی حدود پر وہ کام باقی نہ رہ جائے بلکہ اسکے ذمہ داران

سے صریح تحریف فی الدین کی باتیں صادر ہوں اگرچہ کچھ افراد معتدل بھی ہوں تو کیا ایسے کام اور طریقہ کی حمایت و نصرت کو جاری رکھا جائے یا خرازیوں کے سبب بیزار ہو کر علیحدہ ہو جائے، پھر اس کی کھل کر تکیر کرے یا خاموش رہے، شرعاً ایسی شکل میں کیا کرنا چاہئے۔

جواب: صحیح طریقہ کی حمایت کی جائے اور خرازیوں کی اصلاح کی جائے،

مگر غلو اور تحریفات کا کوئی علاج نہیں اللہم احفظنا منہ،

صرف دو جملوں میں ایسا چچا تلا جواب لکھ لینا بھی ہر ایک شخص کی قدرت میں نہیں جو تمام پہلوؤں پر حاوی ہو، ہم سوال پڑھتے ہوئے یہ سوچ رہے تھے کہ اس کا جواب مفتی صاحب نے کچھ تفصیل سے لکھا ہوگا جس میں فقہاء کی عبارات ہونگی لیکن جواب پڑھ کر حیرانی ہوئی کہ کس طرح حضرت مفتی صاحب نے دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ ہم سے اگر کوئی یہ سوال کرتا تو ہم اتنی تفصیل سے لکھتے کہ صفحہ بھر جاتا کہ وہ نیک کام جس میں غلو اور بگاڑ پیدا ہوا ہے پہلے اسکی حیثیت متعین کی جائے کہ وہ واجب ہے یا غیر واجب؟ اگر واجب ہے تو بگاڑ کی اصلاح کی جائیگی واجب کو ترک نہیں کیا جائیگا، اور اگر وہ نیک کام مباح، مستحب یا سنت کے درجے کا ہے تو اس میں کس طرح کا فساد و بگاڑ پیدا ہوا ہے عملی یا اعتقادی؟ اگر اس میں کوئی اعتقادی خرابی پیدا ہوگئی ہے جس کی وجہ سے اس نیک کام کو واجب کا درجہ دیا جانے لگا ہے تو اس پر عمل کو چھوڑ دیا جائیگا۔ بدیل ان الفقہاء قالوا اذا تردد بین سنة و بدعة

كان ترك السنة ارجحاً على فعل البدعة، اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری نور اللہ مرقدہ اپنی یگانہ روزگار تصنیف براہین قاطعہ صفحہ ۶۳ پر فرماتے ہیں،

”التزام جسکو بدعت کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ مباح یا مستحب کو واجب یا سنت موکدہ اعتقاد کرے یا مثل موکدات کے اس پر عمل درآمد کرے، انتہی۔

ان خرازیوں کی بنیاد پر اس پرے نظام عمل کو ترک کرنا پڑیگا، اور اگر وہ کوئی جزوی بگاڑ ہو تو اس کی اصلاح کر لی جائے، وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ اس طرح کی طول طویل تحریر کو نہ تو لوگ اب پڑھنے کے عادی رہ گئے نہ سمجھنے کے، بات مختصر ہو اور عام فہم ہو تو اس کا فائدہ ہے حضرت مفتی صاحب کی تحریر خیر الکلام مناقل و دل کی مصداق ہے۔

دیکھئے سائل نے پوچھا کہ کسی نیک کام میں غلو اور بگاڑ عام ہو جائے..... تو کیا ایسے کام اور طریقہ کی نصرت و حمایت کو جاری رکھا جائے یا علیحدگی اختیار کر لی جائے، اب حضرت مفتی صاحب اگر یہ لکھ دیتے کہ ایسے کام کی حمایت کی جائے اور خرازیوں کی اصلاح کی جائے تو یقیناً اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ پھر ہر غلط کام کرنے والے اس سے دلیل پکڑنے لگتے، خرازیوں کی اصلاح تو نہ ہوتی البتہ غلط کام کو فروغ ضرور مل جاتا۔ مفتی صاحب نے اس لئے اپنے جملے میں صحیح طریقہ کی قید لگا دی۔ اب اس سے کسی غلط کام کی تائید نہیں ہو سکتی کیونکہ صحیح طریقہ کی قید لگی ہوئی ہے۔ اور صحیح طریقہ وہی ہے جو

شریعت کے مطابق ہو، اب کسی غیر شرعی طریقے کی اس سے تائید نہیں ہو سکتی اور یہی مفتی صاحب کے کلام کی خوبی ہے۔ صحیح طریقہ ایک ایسا جامع لفظ ہے کہ ہر غلط و غیر شرعی اور غیر اسلامی طریقہ اس سے خارج ہو گیا۔ مسئول عنہا جماعت سے تعلق رکھنے والے بھی اپنے کسی غیر شرعی و غلط کام کی حمایت دتا مگر اس سے نہیں کر سکتے کیونکہ،، صحیح،، کی قید ہر غلط کام کی نفی کر دے گی۔

آگے ہے ”خرابیوں کی اصلاح کی جائے“ خرابی اگر حد سے تجاوز نہ کرے تو اصلاح ممکن ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ مفتی صاحب کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اگر خرابیاں ابھی اس درجہ تک نہیں پہنچی ہیں جہاں اصلاح کا عمل غیر موثر ہو جاتا ہے تو اصلاح کی کوشش کی جائے۔ امید ہے کہ حالات درست ہو جائیں گے۔ اور اگر اصلاح ممکن نہیں رہی یعنی جزوی خرابی سے آگے بڑھ کر اب بحیثیت مجموعی بگاڑ زیادہ ہے بھلائی کم ہے، اور ہر فرد خود رانی و خود ستانی کا خوگر ہو چکا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ تنظیم کے افراد اعلیٰ و اسفل میں غلو اور تحریف فی الدین کے جراثیم سرایت کر چکے ہیں تو اب ہزار اصلاحی عمل انجام دیا جائے اسکا کوئی اثر مرتب ہونے والا نہیں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں،، مگر غلو اور تحریفات کا کوئی علاج نہیں،، جس طرح کینسر کے مریض کو کوئی دوا فائدہ نہیں کرتی اسی طرح اسکا مرض بھی لا علاج ہو چکا ہے اب کسی بڑے سے بڑے مفتی کے پاس اسکا علاج نہیں، اس صورت میں اس پورے نظام کو ہی مسترد اور نابود کر دینے کی ضرورت ہے۔

غلو کہتے ہیں کسی کام کو اس کی حد پر نہ رہنے دینا۔ اپنی مرضی سے انہیں افراط و تفریط کرنا۔ قرآن وحدیث میں غلو کی شدید مذمت بیان ہوئی ہے سائل کہہ رہا ہے کہ جماعت کے کام میں اب بہت غلو ہونے لگا ہے اور شرعی حدود سے معاملہ آگے بڑھ چکا ہے۔ چھوٹے بڑے سب غلو کا شکار ہو چکے ہیں، ظاہر ہے کہ کام کی اب وہ حیثیت باقی نہیں رہ جائیگی جو پہلے تھی۔

اسی طرح ذمہ دار لوگ تحریف فی الدین کے صریح مرتکب ہو رہے ہیں۔ تحریف کا مطلب ہے لفظ یا معنی کو بدل دینا، قرآن کے الفاظ کو بدلنا بھی تحریف ہے اور معنی بدلنا بھی تحریف کہلاتا ہے۔ لفظی تحریف تو کسی کے بس میں نہیں، البتہ معنوی تحریف کرنے والے بہت پیدا ہوئے۔ اگرچہ وہ تحریف بھی چلنے والی نہیں کیونکہ علمائے رہبانین کھرا کھونا الگ کر کے رکھ دیتے ہیں اور قیامت تک اللہ کا یہ انتظام باقی رہیگا کہ باطل پرستوں کی تحریفات کو امت قبول نہیں کر سکتی۔ یحمل هذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الفالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاہلین و اداء البیہقی، خود جناب رسول ﷺ کا ارشاد ہے۔ اس لئے اسکا امکان تو نہیں کہ پوری امت گمراہی پر جمع ہو جائے۔ لا تجتمع امتی علی الضلالة، ہاں کچھ لوگ اس سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ اور جب ذمہ دار و با اثر لوگ تحریف کے مرتکب ہوں تو زیر اثر افراد کا متاثر ہونا یقینی ہے۔ سائل نے جس تحریف فی الدین کا تذکرہ کیا ہے وہ بڑے دھڑلے سے

ہو رہی ہے۔ آیات و احادیث کی معنوی تخریف کی وجہ سے عقائد پر بھی اسکا اثر صاف دکھائی دینے لگا ہے۔ علماء کے بار بار متوجہ کرنے کے بعد بھی حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، معاملہ جوں کا توں ہے۔ بلکہ تحریفات کا دائرہ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ موجودہ وقت میں اصلاحی کوششیں تیز ہو گئی ہیں تو بگاڑ میں بھی تیزی آئی ہے۔ عجیب صورت حال ہے، مایوسی کے بادل چھائے ہیں۔ اسی لئے حضرت مفتی صاحب نے آخری وجہ کی بات لکھ دی کہ ”غلو اور تحریفات کا کوئی علاج نہیں“ یہ جملہ بڑی معنویت رکھتا ہے۔ اب یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اسکا علاج ممکن نہیں، جس دین میں کفر و شرک کا علاج موجود ہے، غلو اور تحریف کا بھی اسکے میں علاج ہے۔ حضرت مفتی صاحب علاج کی نفی نہیں کر رہے ہیں۔ علاج کرانے کی نفی فرما رہے ہیں۔ یعنی دوا تو موجود ہے لیکن مریض دوا استعمال نہیں کر رہا ہے۔ جب آدمی اپنے غلو اور تحریف پر ضد کر کے ازار ہے اور علماء کی نصیحتوں پر کان نہ دھرے، تو اسکے راہ راست پر آنے کی امید ختم ہو جاتی ہے۔ اسی بات کو حضرت مفتی صاحب نے ان الفاظ سے تعبیر فرمایا کہ، ”کوئی علاج نہیں“، ضد کرنے والے تو نبی کی نبوت کا انکار کر بیٹھے یہاں تو علماء ہیں۔ اور جب بھی کسی قوم نے غلو اور تحریف کا راستہ اپنایا، پھر اسی پر جم گئی، تو اسکا علاج نہیں ہو سکا۔ ایسے لوگ خدا کی نگاہ میں مردود قرار پاتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی تاریخ ہمارے سامنے ہے، غلو اور تحریف کی بدولت وہ ایسے گمراہ ہوئے کہ آج تک ہدایت پر نہیں آ سکے الا ماشاء اللہ، انھیں کی بیماریاں اس امت کو بھی لگ گئی ہیں جو گمراہی کا سبب ہیں، اور علاج

کرنے والے مایوس ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کے الفاظ بڑے مختصر ہیں لیکن اس میں معانی کا ایک دفتر موجود ہے۔ جب دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث و صدر المدرسین، فقیہ وقت و محدث کبیر کا یہ احساس ہے کہ اب اسکا علاج ممکن نہیں رہا، یہ لا علاج ہو چکے ہیں تو سمجھ لیں چاہئے کہ خطرے کی گھنٹی بج چکی ہے اور صورت حال نہایت خطرناک ہے۔

سوال میں یہ جملہ بھی موجود ہے کہ ”اگرچہ کچھ افراد معتدل ہیں“ کچھ افراد کے معتدل ہونے سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا مفتی ذاکر عبد الواحد صاحب اپنی کتاب ”موجودہ حالات میں دعوت و تبلیغ کا کام“ میں فرماتے ہیں۔

کسی کام یا نظام میں خرابی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس سے منسلک تمام افراد میں وہ خرابی نظر آئے۔ چند افراد میں خرابی کا پیش آنا اس کام کے غلط ہونے کے لئے کافی ہے جبکہ وہ کام فرض یا واجب نہ ہو۔

اسی طرح دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

مدونین فقہ کے بعد اور فقہاء کی ترجیح و ترجیح کے بعد مقلد علماء کے لئے یہ کیونکر مناسب ہے کہ ائمہ فقہ کی تصریحات کو نظر انداز کر کے دور صحابہ کے واقعات سے خود استنباط کریں جبکہ ان کے استنباط فقہاء کی تصریحات کے مخالف بھی ہوں، ہاں اگر کوئی مسئلہ فقہ میں نہ ملتا ہو تو پھر مین حضرات قرون اولیٰ کے حالات و واقعات کی طرف مراجعت کریں صفحہ نمبر ۲۳-۲۷

معلوم ہوا کہ کسی غیر واجب طریقہ میں اکثر افراد کے اندر اگر عمومی طور پر خرابیاں پیدا ہو گئی ہوں تو سو فیصد لوگوں کے شراب ہونے کا انتظار نہیں کیا جائیگا بس یہی اکثر لوگوں کی شرابی کام کے غلط ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح دعوت و تبلیغ کے احکام کی فقہاء نے تصریح کر دی ہے ہمیں کوئی اب نیا استنباط کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اس چونہ یوں صدی کے مختصر طریقہ کار کے دفاع و اثبات کے لئے اسی طرح کے استنباط کئے گئے ہیں جو ائمہ فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہیں۔ فقہاء اگر دعوت و تبلیغ کے احکام مدون نہ کرتے تو جید علماء کے لئے استنباط کی گنجائش تھی۔

لیکن اب نہ استنباط کی گنجائش، نہ دعوت و تبلیغ کے لئے کسی نئے طریقے کو امت پر لازم کرنے کی گنجائش۔ ہاں احکام شریعت کا لحاظ کرتے ہوئے کسی جائز طریقہ کو اختیار کرنا پہلے بھی جائز تھا اب بھی جائز ہے اور قیامت تک جائز رہیگا۔ لیکن جائز اور واجب میں فرق کرنا ہر زمانے کے علماء کی ذمہ داری ہے۔ عمل کی شرعی حیثیت کو جب بھی بدلا جائیگا حکم بھی بدل جائیگا۔ اگر یہ کام پہلے جائز بھی رہا ہو تو اب حیثیت بدل جانے کی وجہ سے عدم جواز کا ہی حکم لگایا جائیگا، فوائد کا شمار اپنی جگہ، شریعت کے کسی حکم کی بنیاد فائدے پر نہیں، قاعدے پر رکھی گئی ہے۔ قاعدے اور قانون کے مطابق ہوگا تو درست ہوگا ورنہ فائدہ چاہے جتنا زیادہ ہو اگر قاعدے کے خلاف ہوگا تو ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جائیگی، بہت سے لوگ طرح طرح کے فوائد شمار کرتے ہیں اور قانون کے مقابلے میں اپنی مرضی

چلاتے ہیں۔ یہ بیماری یہودیوں سے ہمارے اندر آئی ہے کہ وہ قانون شریعت کے مقابلے میں اپنی عقلیں چلاتے تھے، ہم بھی اب یہی کر رہے ہیں۔ اور درپردہ اللہ اور رسول کو مشورہ دے رہے ہیں کہ حکم بیان کرنے سے پہلے ہم سے مشورہ کر لیجئے، کیونکہ نعوذ باللہ ہم دنیا کے حالات سے جتنے باخبر ہیں آپ نہیں ہیں یہ بہت مفید چیز ہے اس کو کرنے سے بڑا فائدہ ہوگا۔ یہ بالکل غیر اسلامی ذہن ہے۔ ایک مومن کوئی دینی کام کرنے سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ ہمارے رب نے ہمیں یہ کام کرنے کی اجازت دی ہے یا نہیں؟ رسول سے اس کام کا ثبوت ہے یا نہیں؟ صحابہؓ و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے اسے کیا ہے یا نہیں؟ جب تک اس ذہن سے آدمی نہیں سوچے گا بدعتوں سے کبھی نہیں بچ سکتا۔ بدعت کوئی بدین نہیں ایجاد کرتا، یہ صوفیا و مشائخ اور مغلوب الحال بزرگوں کے یہاں پیدا ہوتی ہے اور پھر دھیرے دھیرے لوگ اسی بدعت کو اس بزرگ کے حوالے سے پوری دنیا میں پھیلا دیتے ہیں۔ فقہاء نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ پوری دنیا میں کسی عمل کا شیوع اسکے سنت ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ جو لوگ اس کام میں لگے ہوئے ہیں اور اسے سنت سمجھتے ہیں انکی پہلی ذمہ داری ہے کہ وہ قوانین شریعت سے اس کے جائز ہونے کا ثبوت پیش کریں اور فقہاء نے جو اصول مرتب کئے ہیں اس پر اسکو منطبق کر کے دکھائیں، عمل کے جائز ہونے کے لئے یہ پہلا ذیہ ہے۔ بغیر اس کو طے کئے ہوئے آگے بڑھنا اس آیت کا مصداق ہوگا۔ الذین ضل سعویہم فی الحیاة الدنیا و ہم یحسبون انہم یحسنون صنعا،

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں میں غلو کا مرض پیدا ہو گیا ہے جیسا کہ خود حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے، اسباب و اعمال،، معنفہ مفتی زید صاحب ندوی کے مقدمے میں تحریر فرمایا ہے کہ ”تبلیغ میں مشغول حضرات اپنے کام میں غلو کرتے ہیں اور اسباب کو سرے سے کنڈم کرتے ہیں انکا یہ طرز عمل صحیح نہیں“ اسی طرح حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خاں پوری شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کجرات نے حضرت لاہوری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب (امیر تبلیغ) کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا

”ایک بات یاد رکھئے کہ کسی حق پرست جماعت کا باطل پرستی کی طرف پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگ جائے کہ ہمارے سوا دوسری کوئی دینی جماعت حق پر نہیں ہے اور ہماری جماعت کی بقا دوسروں کی فحاشی کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ دیکھنا آپ کی جماعت میں کہیں یہ احساس و تاثر نہ پیدا ہو جائے۔“ (اسباب و اعمال صفحہ ۴۵-۴۶)

”قلندر ہر چہ کوید دیدہ کوید“ آج بھی صورت حال ہو چکی ہے۔ اسکے لئے یہ حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔ الحاج ابراہیم یوسف باوا اپنے رسالہ ”التبلیغ میں لکھتے ہیں۔“ حضرت مولانا خلی داد خونی مدظلہ بعد دعا سلام پاکستان سے لکھتے ہیں۔ خیر پور میسر سندھ میں ایک رئیس کے یہاں بھائی عبدالوہاب رائے

ونڈ والے کی دعوت تھی جس میں چند علماء کو بھی مدعو کیا گیا تھا ان میں خیر پور کے مشہور عالم مولانا بدرالدین صاحب بھی تھے اور میں بھی تھا کھانے کے بعد میزبان نے حاضرین سے کہا کہ آپ حضرات ذرا توجہ فرمائیں اب حضرت (عبدالوہاب) کچھ ارشاد فرمائیں گے۔۔۔۔۔ بھائی عبدالوہاب نے بیان شروع کیا اور اس میں یہ کلمات کہے۔ دیکھئے جب تک دینی مدارس ختم نہ ہو جائیں ہماری (تبلیغ) مشن کامیاب نہیں ہو سکتی حضرت مولانا بدرالدین مدظلہ نے فوراً ٹوکا کہ جناب یہ کوئی مشن ہے جو مدارس کے ختم ہونے کے بعد ہی کامیاب ہو سکتی ہے ذرا وضاحت کریں۔۔۔۔۔ بھائی عبدالوہاب نے حضرت مولانا بدرالدین صاحب دامت برکاتہم کی طرف متوجہ ہو کر کہا میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ مدارس بالکل ختم کر دئے جائیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہر گھر مدرسہ بن جائے۔ حضرت مولانا بدرالدین صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ جناب آج میں سمجھ گیا کہ آپ لوگوں کے عزائم کیا ہیں؟ اب آپ کی ان ریک ٹاویلوں سے بات نہیں بن سکتی۔ فرما کر مولانا موصوف اور ان کے ساتھ علماء سب چلے گئے۔

ادارتی تبصرہ۔ اس طرح کے ریک حملے مرکز نظام الدین کے مولانا سعد اور برطانیہ کے امیر حافظ محمد ٹیل بھی کرتے ہیں یہ ناپاک عزائم اور

فاسد پروگرام دشمنان اسلام کے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ انکے
ایجنٹ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں سے دین کی حفاظت فرمائیں۔
مزید لکھتے ہیں۔

پاکستان کے بڑے لیڈر نے مرکز رائے منڈ کے ایک عالم دین کو کہا کہ
اب تک تمہارے دل و دماغ سے جلالین اور مشکوٰۃ کا نشہ نہیں اتر ا جو تم بار
بار اسکی باتیں کرتے ہو۔۔۔ بس تبلیغ میں ٹکٹے اور ٹکالے کی ہی باتیں کرو،

(اتذیج بر خانہ جلد نمبر ۴ ذی الحجہ ۱۴۲۱ ہجری مارچ ۲۰۰۱ شمارہ نمبر ۴ نمبر ۴۸)

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے جوابات کی تشریح مکمل ہوئی، اس میں کوئی
غلطی ہو تو ازراہ کرم و فوازش حضرات علماء کرام ناچیز کو مطلع فرمائیں انشاء اللہ غلطی ثابت ہو
جانے پر حق بات کو قبول کرنے میں ذرا بھی تاثر اور دیر نہیں ہوگی۔

فتی

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

العبد المحمد عرفان الحق غفرلہ المظاہری فتوحہ، الہ آباد